سلسلہ مطبوعات (۴۴)

آنے والے انقلاب کی تصویر

یعنی

# آزاد قومی پالیسی کا خاکہ

حضرت مولانا سید محمد میاں

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

## مضامین ایک نظر میں


| | |
|---|---|
| پیش لفظ | 3 |
| حرف اول | 4 |
| برعظیم کے علماء سے استدعا | 10 |
| صحیح سوالات | 10 |
| یورپ کے پاس دولت کہاں سے آئی؟ | |
| اور عروج یورپ کا اثر اسلامی ممالک پر | 14 |
| یورپ اور مسلمانوں کی موجودہ قوت | 17 |
| نتیجہ کلام | 18 |
| سرمایہ داری نظام | 18 |
| کمیونزم سوشلزم وغیرہ | 19 |
| مسلم دنیا کدھر جائے؟ | 19 |
| اقتدار مسلم اور اشتراکیت | 21 |
| آزاد ہندوستان کی حیثیت | 23 |
| آزادی ہند (برعظیم) کے بعد (خارجہ پالیسی) | 23 |
| علماء ہند اور ذوق انقلاب | 25 |
| ہم ہندوستان (برعظیم) میں کیا چاہتے ہیں | |
| (اقتصادی پالیسی) | 27 |
| افلاس کیسے دور کر سکتے ہیں؟ | 28 |
| فوجی اخراجات میں کمی | 28 |
| قومی رصنعتی نظام | 29 |
| کانگریس کے اساسی اصول | 30 |

| | |
|---|---|
| تحفظ ملت اور ہندو مسلم معاہدات | 31 |
| ہندوستان کے مدبرین | 32 |
| سرکاری ملازمتیں، اسمبلی کی نشستیں اور طرز انتخاب | 35 |
| ہمارے تحفظات اور ہماری طاقت | 37 |
| ہندو پرست کون؟ | 39 |
| تنظیم مسلم | 39 |
| کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں | 39 |
| ستم ظریفی | 40 |
| قصور کیا ہے؟ | 40 |



نام پمفلٹ: آنے والے انقلاب کی تصویر
یعنی آزاد قومی پالیسی کا خاکہ

سیریز نمبر: 44

مؤلف: حضرت مولانا سید محمد میاں
(ناظم جمعیتہ علماء ہند)

تاریخ اشاعت: 5 مئی 1999ء

ناشر: شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن
پوسٹ بکس نمبر 363 ملتان

# پیش لفظ

پینتیس سال پہلے کا لکھا ہوا یہ مختصر کتابچہ اپنی افادیت کے لحاظ سے منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ سامراج کی جنگ باز فطرت کے سبب عالمی جنگوں میں ہونے والے سیاسی اور معاشی انسانی قتل پر جمعیتہ علماء ہند کے ترجمان مولانا محمد میاں صدائے امن بلند کرتے ہیں۔۔۔ وہ برصغیر کو آزادی دلانا چاہتے ہیں۔ مولانا نے اس پمفلٹ میں جنگ آزادی کی اساس مہیا کی ہے۔ آزادیٔ ہند سے بین الاقوامی سیاست پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ آزاد ہندوستان کی داخلی حکمت عملی کن اصولوں پر استوار ہو گی اور آزاد برصغیر کس قسم کی خارجہ پالیسی اختیار کرے گا؟ انہی خطوط پر مولانا مرحوم نے قلم اٹھایا ہے۔ مولانا محمد میاں نے اس کتابچے میں سیاسی اور غیر سیاسی علماء دین کے درمیان بھی ایک حد قائم کر دی ہے۔۔۔۔ مولانا علمی، فکری، عملی اور معیاری سیاست کے ہم عصر ماہرین میں بلاشبہ نمایاں مقام رکھتے تھے۔

آج مولانا مرحوم کی اس تحریر سے یا اس کے کچھ حصوں سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے لیکن تاریخ اور سیاسیات کے طالب علم کیلئے اس میں بہت کچھ موجود ہے کوئی بھی حقیقت پسند سیاسی کارکن، سیاسی لیڈر یا تاریخ دان اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس بوریہ نشین عالم دین نے پینتیس سال قبل آج کے اور آج سے بعد کے حالات پر واضح انداز میں بحث کی ہے۔

انہوں نے مغربی سامراج خصوصا امریکہ اور۔۔۔۔ برطانیہ کے مقابلہ میں سامراج شکن قوموں کی طرف بلا تفریق مذہب و ملت دست تعاون بڑھایا ہے۔

پڑھئے۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اپنے گرد و پیش نظر دوڑائیے۔

نفیس العزیز
(۱۹۷۳)

باسمہ تعالیٰ

# حرف اول

یہ خطہ جو درحقیقت برعظیم ہے۔ اپنے وسائل اور افرادی قوت کے حوالہ سے نہ صرف یہ کہ کسی بیرونی طاقت کا محتاج نہیں بلکہ عالمی سیاست میں ایک اہم ترین حیثیت رکھتا ہے کہ اس کی آزادی دنیا کے کئی ممالک کی آزادی کی ضمانت ہے جبکہ اس کی غلامی کئی علاقوں کی غلامی کا سبب بنتی رہی ہے۔ اس لئے برعظیم جب برطانوی نو آبادی نظام کا شکار ہوا تو یہاں کی آزادی خواہ اجتماعیت جسے ولی اللہی علماء حق نے منظم کیا تھا نے نہ صرف اپنے وطن کی آزادی کے لئے سردھڑ کی بازی لگائی بلکہ دنیا کی دیگر مظلوم اقوام کی آزادی کو بھی اپنا مشن قرار دیا خواہ وہ ترکی کی قوم تھی یا افغانستان کی یا تیسری دنیا کی دیگر اقوام اس حریت پسند جماعت نے تحریک ریشمی رومال جیسا عظیم منصوبہ تخلیق کیا۔ گو فوری طور پر حقیقی ہدف تک اس کی رسائی نہیں ہو سکی اور دنیا میں کونسی ایسی تحریک ہے جس نے اپنے ہدف کو پہلے مرحلے میں ہی مکمل طور پر حاصل کر لیا ہو لیکن اس منصوبہ کی تفصیلات سے واقفیت اس تحریک کے قائدین و رہنماؤں کی وسعت نظری، انسان دوستی اور سامراج دشمنی کے ترقی پسند نصب العین کو اجاگر کرتی ہے۔

اس تحریک کے قائد اعظم شیخ الہند مولانا محمود حسن (م ۱۹۱۹ء) کی سامراج دشمنی میں استقامت و پختگی اور اس کے ساتھ ساتھ مذہبی رائے (فتوی) دینے میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ برطانوی حکومت سے عدم تعاون اور ترک موالات کی مذہبی حیثیت متعین کرنے کی ذمہ داری اپنے خصوصی حلقہ کو اس بناء پر سونپ دی کہ وہ خود اس سلسلے میں اپنی ایک اٹل رائے رکھتے ہیں اور کہیں مذہبی رائے بجائے تحقیق کے اس کے تابع ہو کر نہ رہ جائے جیسا کہ سیاسی مذہب کاروں کا طریقہ فکر و عمل ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ سیاسی بصیرت و سماجی شعور کا یہ حال تھا کہ معروضی تقاضوں کے مطابق حکمت عملی پر نظر ثانی کو کبھی ذاتی انا اور خود ساختہ مذہبی انتہا پسندی کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیا جو درحقیقت باشعور اصحاب طریقت کا ہی

شعار ہوتا ہے چنانچہ تحریک ریشمی رومال جیسی تحریک جس میں عسکری پہلو بنیادی اہمیت رکھتا تھا کے نتیجہ میں ذہنی و جسمانی اذیت کا ایک طویل عرصہ گزارنے کے باوجود عدم تشدد کی بنیاد پر مزاحمت کی عصری حکمت عملی اختیار کی اور یہی وہ کامیاب **حکمتِ عملی** تھی جس کے تحت جمعیۃ علماء ہند نے وطن دوست قوتوں کے ساتھ مل کر انگریز سرکار کو یہاں سے جانے پر مجبور کر دیا اور یوں ۱۹۴۷ء میں نو آبادیاتی دور کا خاتمہ ہوا۔

حضرت شیخ الہند کی رحلت کے بعد ان کی تربیت یافتہ اجتماعیت نے نہ صرف مزاحمتی حکمت عملی کو مؤثر انداز میں آگے بڑھایا بلکہ دور آزادی کے تقاضوں سے بھی اپنی گہری واقفیت کا ثبوت فراہم کیا چنانچہ زیر نظر مضمون جو بیسویں صدی کی تیسری دہائی کے دوسرے حصے میں تحریر کیا گیا۔ اس حوالہ سے لائق مطالعہ ہے۔

زیر نظر مضمون میں حضرت مولانا محمد میاں نے جمعیۃ علماء ہند کے ترجمان کی حیثیت سے کئی اہم امور پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً

(۱) سرمایہ دارانہ نظام کے تحت جس صنعتی دور کا آغاز ہوا۔ اس نے انسانی سوسائٹی کو بہت سے گھمبیر مسائل سے دوچار کیا ہے۔ جن میں افلاس اور بے روزگاری سرفہرست ہے۔ سائنسی ترقی اور مشینی عمل کی افادیت سے کسی صاحب عقل کو انکار نہیں لیکن جب آلات و مشین استحصالی عناصر کے ہاتھ میں ہوتے ہیں تو ان کا ظلم و ستم بھی زیادہ موثر اور گھناؤنا ہو جاتا ہے چنانچہ استحصالی نظام میں ہر سائنسی ایجاد کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اس سے ارتکاز زر کا استحصالی عمل اجارہ داری کے دائرے میں بڑھتا چلا جاتا ہے اور دوسری طرف یہ سائنسی ایجادات جب میدان جنگ میں اپنی استعداد کا مظاہرہ کرتی ہیں تو انسانیت کے لئے قبل از صنعتی دور سے زیادہ ہولناکی و بربادی کا پیغام لاتی ہیں۔ گویا ایک ترقی پسند عمل بھی جب استحصالی اجارہ داروں کا آلہ کار بنتا ہے تو وہ دنیائے انسانیت کے لئے بجائے نوید مسرت بننے کے تباہی کا صور بن جاتا ہے۔ گو اس ترقی کے ثانوی درجے کے فوائد سے کسی کو انکار نہیں' دراصل سائنسی ترقی سے حقیقی استفادہ' انسان دوست سماج ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ ورنہ ہیروشیما اور ناگاساکی کی داستانیں ہی جنم لیتی رہیں گی اور اب بھی جب اکیسویں صدی عیسوی

کا آغاز ہونے والا ہے عراق اور یوگوسلاویہ جیسے المناک واقعات بہت کچھ سوچنے کا مواد فراہم کرتے ہیں۔

(۲) یورپ میں جب علوم کے احیاء کی تحریک کا آغاز ہوا تو وہاں کے مذہبی اجارہ داروں نے اس کی مخالفت میں جاگیرداروں اور بادشاہوں کے ساتھ مفاداتی اتحاد کی بنیاد پر انسانیت سوز ظلم و ستم کا ایک بازار گرم کر دیا اور جب اس کے خلاف شدید عوامی رد عمل بیدار ہوا تو اس نے یورپ کو مذہبی پاپائیت' جاگیرداری اور بادشاہت کے فاسد عناصر سے پاک کر کے ہی دم لیا اور یوں لامذہبیت' سرمایہ داری اور جمہوریت کے تصورات نے اپنا سکہ جمایا' گو اس میں سرمایہ داری نے دیگر دونوں عناصر کو اپنے استحصالی مقاصد کے آلہ کار کی حیثیت دے ڈالی' یہی وجہ ہے کہ یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام نے اپنے مقاصد کے لئے اور بالخصوص اشتراکی نظام کے مقابلہ کے لئے باوجود لامذھب ہونے کے کئی ممالک میں مذہب کو اپنے آلہ کار کے طور پر یا اپنے مخالف نظام کے خلاف بطور ڈھال استعمال کرنے کی حکمت عملی اپنائی۔ اسی طرح اس عالمی استحصالی نظام نے اپنے ملک میں جمہوریت کا طبقاتی ماڈل دینے کے باوجود تیسری دنیا کے ممالک میں ان وراثتی حکمرانوں اور فوجی مارشل لاؤں کی سرپرستی کی جو عالمی حکمت عملی میں اس کے طفیلی کردار کے لئے موزوں ثابت ہوئے۔

گویا یورپ اور اس کے نو آبادیاتی علاقوں میں دہریت یا لامذہبیت کا آغاز سرمایہ داری نظام کے جاگیرداری نظام پر غلبہ کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ایک علیحدہ حقیقت ہے کہ اس نظام کے عالمی اجارہ داروں نے اشتراکیت سے جنگ میں تیسری دنیا بالخصوص عالم اسلام کے محاذ پر اپنے آپ کو مذہب کے محافظ کے روپ میں پیش کر کے سادہ لوح مذہبی حلقوں کو کامیاب دھوکہ دیا۔ جس کا احساس ان کے بعض عناصر کو بھی بعد از خرابی بسیار ہونے لگا ہے۔

(۳) کسی بھی ملک کی حقیقی آزادی کے استحکام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دور کے معروضی حقائق کا درست ادراک کرتے ہوئے اپنے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی بجائے حقیقی دشمن اور فرضی دشمن کے مابین درست امتیاز کا شعور رکھے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو

کہ حقیقی دشمن اس کو فرضی دشمنوں کے مقابلہ میں صف آراء کر کے اپنے مقاصد کے حصول کا ایندھن بنا ڈالے۔ چنانچہ اسی تناظر میں صنعتی دور کے عالمی اجارہ دار استحصالی قوتوں (جنکی نمائندگی برعظیم میں برطانیہ کے پاس تھی اور اب پوری دنیا میں امریکہ کے پاس ہے) نے اپنے زیر استحصال ممالک کو ایک دوسرے سے لڑانے کی حکمت عملی اختیار کی اور مسلم آبادی کو مقامی غیر مسلم قوتوں کے خلاف بلکہ ایک مسلم ملک کو نسلی یا فرقہ وارانہ بنیاد پر دوسرے مسلم ملک کے مقابلہ پر لا کھڑا کیا۔ اس تناظر میں باشعور اور صاحب بصیرت اجتماعیت کی حامل جمعیۃ علماء ہند نے ایشیاء ٹک فیڈریشن کا تصور پیش کیا ہے اور آج ساٹھ سال سے زائد عرصہ قبل کی یہ مجوزہ سکیم ماضی کا قصہ پارینہ بننے کے بجائے زیادہ توانائی کے ساتھ منظر عام پر آ رہی ہے۔ کبھی عوامی جمہوریہ چین کی طرف سے اور کبھی وسط ایشیائی ریاستوں کی جانب سے اس کی اہمیت اجاگر کی جاتی ہے اور کبھی انڈین یونین کی سمت سے اور کبھی ایران کی طرف سے اس پر زور دیا جاتا ہے۔ حتی کہ سوویت یونین کی تحلیل کے بعد روسی حکومت نے بھی اس کی افادیت کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ روسی وزیراعظم نے پاکستانی وزیراعظم کے حالیہ دورہ ماسکو (اپریل ۹۹ء) کے موقع پر اس تجویز کا اعادہ بھی کیا۔ اس سے حضرت شیخ الہند کی تربیت یافتہ جماعت کے گہرے سماجی اور بین الاقوامی شعور کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ منصوبہ سب سے پہلے شیخ الہند کے خصوصی شاگرد رشید مولانا عبیداللہ سندھی کے قلم سے پون صدی قبل (۱۵ ستمبر ۱۹۲۴ء) دنیا کے سامنے آیا۔ چنانچہ ان کا کہنا تھا کہ آزاد ہندوستان (برعظیم) میں کوئی نظام حکومت کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جب تک ایشیائی اقوام عموماً اسی نظام کو منظور نہ کر لیں۔ اسی لئے وہ ایشیائی ممالک کا ایمپریلزم اور سرمایہ داری کے خلاف فیڈریشن قائم کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور روس کو نیم ایشیائی ممالک میں شمار کر کے ایشیا ٹک فیڈریشن کا ممبر تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی رائے میں مصر و مراکش جیسے غیر ایشیائی ممالک ان عوامی پارٹیوں کے توسط سے جو ایمپریلزم اور سرمایہ داری کی مخالفت میں پیدا ہوں، ایشیا ٹک فیڈریشن میں شامل ہو سکتے ہیں۔ (خطبات و مقالات ص ۲۸۴)

(۴) برعظیم کو برطانوی دور میں جس اقتصادی زبوں حالی سے دوچار ہونا پڑا اور پھر اس کو اب تک جس متعفن طبقاتی نظام سے جکڑا ہوا ہے۔ اس نے یہاں کی غالب اکثریت کو افلاس و بدحالی کی انتہاء کو پہنچا دیا ہے حتی کہ روزمرہ کے اخبارات معاشی جرائم اور تنگدستی کے سبب خودکشیوں کے واقعات ناموں کا روپ دھار چکے ہیں۔ ایسے میں درپیش مسائل کے حل کے لئے عسکری اخراجات میں کمی پر مبنی قومی صنعتی نظام اور سماجی تحفظ پر مبنی معاشرے کے قیام کے سوا قومی بقاء کی کوئی اور صورت آج ممکن نظر نہیں آتی جس کی نشاندہی زیر نظر مضمون میں اس وقت کردی گئی تھی۔

(۵) برعظیم کا خطہ ایک کثیر المذھبی خطہ ہے۔ جس پر مسلمانوں نے ساڑھے آٹھ سو سال سے زیادہ حکومت کی اور یوں یہ خطہ ان کا وطن بن گیا ہے۔ ایسے میں اس خطہ میں ایسی پالیسی کی ضرورت ہے جو پرامن بقاء باہمی پر مبنی ہو جس کے تحت یہاں کی اقوام و ملل بیرونی اثرات کی بجائے خطہ کے مفادات کے تحت باہمی تعاون کی راہ اختیار کریں۔ اسی بناء پر برعظیم کی آزادی کے لئے خطہ کے علماء حق نے برادران وطن کے ساتھ تعاون کی پالیسی کی حوصلہ افزائی کی تاکہ خطہ کے سیاسی و معاشی آزادی کے حصول کو یقینی بنایا جاسکے لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے ملی امور پر کسی قسم کی مصالحت کی راہ کو بھی نہیں اپنایا چنانچہ آج برعظیم میں دین حق کا جو بھی غلغلہ ہے۔ وہ اسی جماعت حقہ کے رہین منت ہے۔ جس کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ملت اسلامیہ کو خود اعتمادی کے ساتھ میدان میں رہنا چاہئے اور بجائے ہندوؤں سے مرعوب ہونے اور ان سے حقوق کے تحفظ کی درخواست کرنے کے خوددار ملت کی صورت میں آزادی کی جدوجہد کی قیادت کرنی چاہئے چنانچہ علماء حق کی جماعت نہ صرف قیام کانگریس تک بلاشرکت غیرے اس آزادی کے لئے برسرپیکار رہی بلکہ اس نے کانگریس کو بھی حصول آزادی کی راہ پر لاکھڑا کیا۔ چنانچہ ہندوستان کی آنجہانی وزیراعظم اندرا گاندھی نے بھی دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ عظیم الشان بین الاقوامی اجتماع میں اس امر کا برملا اظہار کیا کہ ہند کی آزادی دو اداروں کی رہین منت ہے کانگریس اور دارالعلوم (جس نے تحریک ریشمی رومال سے لے کر جمعیت علماء ہند تک کئی جماعتوں کو جنم دیا)

الغرض اب اگرچہ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں لیکن ہمارے مسائل بیسویں صدی کے نو آبادیاتی و جدید نو آبادیاتی دور کے ہی پیدا کردہ ہیں اور ان مسائل کے حل کے لئے ولی اللہی بصیرت کے حامل اہل حق کے شعور و فراست سے استفادہ ہی نوجوان نسل کو ٹامک ٹوئیوں کی بجائے خود اعتمادی بخش سکتا ہے۔

اس سلسلے میں زیر نظر مضمون کا گرد و پیش حقائق کے تناظر اور اہل بصیرت و عزیمت کی صحبت میں مطالعہ کئی گتھیوں کو سلجھا سکتا ہے۔

چیئرمین شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

(یکم مئی ۱۹۹۹ء)

# تمام ہندوستان کے علماء سے استدعا

## صحیح سوالات سمجھئے اور تحقیق و تفتیش سے جواب لکھئے ورنہ آنے والا انقلاب صفحۂ ہستی سے مٹادے گا

حدیث عشق داند کسے کہ درہمہ عمر
بسر نکوفتہ باشد در سرائے را

کس قدر ستم ہے۔ کس قدر دیدہ دلیری ہے۔ کہ پچاس برس سے آزادی اور حریت کا وجوب ثابت کیا جا رہا ہے۔ اور ہندو مسلم اشتراک کے جواز پر دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے لے کر حضرت شیخ الہندؒ مولانا سید حسین احمد صاحبؒ اور حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب تک شرکت کانگریس کے جواز بلکہ اس کی ضرورت پر مدلّل فتاویٰ ارشاد کر چکے ہیں، مگر پھر بھی امروہہ ضلع مراد آباد کے ایک زمیندار، مولوی صاحب بیس صفحہ کا رسالہ وعظ و پند مفت تقسیم فرماتے ہیں۔ جس کا عنوان ہے۔

"ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین"

(دیوبندی اصول سے بلا مضمون شرعیہ کے کانگریس میں شریک ہونا گمراہی ہے) کانگرسی علماء سے دلائل شرعیہ کا مطالبہ

### صحیح سوالات

غلط سوالات اور پھر ان کے جوابات کا سلسلہ مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا رہا ہے۔ اس غلط رد و قدح میں عام مسلمان اس چیز سے قطعاً غافل ہیں جو آج دنیا میں ترقی کا ذریعہ ہے اور جس پر صحیح جدوجہد کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

اس لیے معترضین کے اعتراضات اور ان کے جوابات سے پیشتر ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ واقعات اور حالات کا صحیح نقشہ سامنے رکھ کر صحیح سوالات پیش کیے جائیں۔

مثلاً شکر سازی کی صنعت ہندوستان کی پرانی صنعت ہے۔ قدیم زمانہ میں لکڑی کے کولھو ہوتے تھے۔ جیسے تیل نکالنے کے لیے کہیں کہیں آج کل بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کے ایک کولھو پر کم و بیش بیس آدمی کام کرتے تھے۔ لوہے کی چرخی نے تخفیف کرکے بیس کے بجائے پندرہ آدمی رکھے یعنی سو میں پچیس کو بیکار کر دیا اور منشو گر مل نے سو میں سے صرف ایک آدمی رکھا۔ 99 کو بیکار کر دیا۔ اب 99 آدمیوں کی مزدوری کہاں گئی؟ مالکان مل کی جیب میں۔ یہی کیفیت کپڑوں کے مل کی ہے اس نے اولاً ہندوستان کی صنعت برباد کرکے یورپ کے سرمایہ داروں کا پیٹ بھرا اور اب ہندوستان میں مل قائم ہونے لگے۔ تو مانچسٹر۔ لنکا شائر کے بجائے۔ احمد آباد۔ دلی۔ کانپور اور کلکتہ کے مالکان مل کا پیٹ بھرا جانے لگا۔ اور ہندوستان کی فاقہ کشی میں اضافہ ہوتا رہا۔

ہمدردی مسلم کے دعویداروں کے سامنے یہ عرض کرنا بھی بے جا نہ ہو گا کہ یہ غریب دستکار عموماً مسلمان تھے اور لنکا شائر اور مانچسٹر کے مالکان مل انگریز اور ہندوستان کے مالکان مل عموماً ہندو' بلکہ سب ہی ہندو۔

سود کی تباہی کو عام طور سے رویا جاتا ہے' مگر اس کی تباہ کاری تب بھی محدود ہے۔ اس سے وہی تباہ ہوتا ہے جو قرض لے۔ مگر یہاں تو ہر مزدور اور دستکار تباہ وہ غریب ناکردہ گناہ ہے پھر بھی تباہ۔

دیہات کے ہزاروں انسان آبپاشی کے سلسلہ میں کام پر لگ جاتے تھے۔ گرمیوں کے موسم میں ہزاروں لاکھوں فاقہ مست' امراء کے یہاں پنکھا کھینچنے پر ملازم ہو کر اپنا پیٹ پالنے لگے تھے' مگر ہردوار میں ایک بجلی کا کارخانہ قائم کرایا گیا۔ جس نے سہارنپور' مظفر نگر' بجنور' مراد آباد' رام پور' بریلی' شاہجہان پور کے لاکھوں مزدوروں کو بیکار کرکے ان کی مزدوری کا حصہ مالکان کمپنی کی جیب میں ڈال دیا۔

1- بجلی پانی نکالنے لگی۔ بجلی ہوا پہنچانے لگی۔ بجلی روشنی کرنے لگی۔ فاقہ مستی عام ہو گئی۔

2- فرض کرلو شوگر مل یا کلاتھ مل کے مالکان دو دو چار چار میل کے رقبے خرید خرید کر اپنی ملوں کے لیے گنے یا روئی کی کاشت خود کرنے لگتے ہیں' جیسا کہ جگہ جگہ بڑے بڑے زمینداروں نے گنے کے فارم لگانے شروع کر دیئے ہیں اس کے دوسرے معنی یہی ہیں کہ کروڑوں کاشتکار بالکل بیکار ہو جائیں۔ خصوصاً" جبکہ وہ زمین کا تردد۔ اس کی آبپاشی پھر کھیتی کی کٹائی وغیرہ وغیرہ سب مشین کے ذریعہ کریں۔

3- پانسو برس پیشتر تک' تلوار' بندوق یا معمولی قسم کی توپ' سامان جنگ تھے۔ سامان کو منتقل کرنے کے لیے اونٹ' گھوڑے' خچر استعمال کیے جاتے تھے۔ معرکے اور جنگ و جدال موجود زمانہ کے جنگ و جدال سے کم نہ ہوتے تھے مگر جانی اور مالی نقصان موجود زمانہ کے لحاظ سے صفر کے برابر رہتا تھا۔

طریقہ جنگ اس قسم کا تھا کہ جہاں دو چار بڑے بڑے بہادر کسی فریق کے مارے گئے اس کے پیر اکھڑ گئے۔ بہت زیادہ گھمسان کی جنگ ہوتی تو ہزار پانسو کام آگئے۔ اسی طرح مالی نقصان بھی بہت کم ہوتا تھا۔

زائد سے زائد ایک سپاہی اور اس کے گھوڑے کا خرچ یومیہ ایک روپیہ ہی رکھا جائے تو میدان جنگ کا خرچ ایک لاکھ روپیہ ہوتا تھا جبکہ اس میں ایک لاکھ سپاہی مصروف پیکار ہوں اور اس قسم کی جنگ شاذو نادر ہوتی تھی۔ لیکن سائنس جدید نے میدان جنگ کے خرچے میں کم از کم ایک پر 99 کا اضافہ کر دیا۔ یعنی ایک روپیہ کے بجائے سو روپے خرچ ہونے لگا۔

تلوار' بندوق' نیزہ' خنجر تو اب محض' شاعرانہ تشبیہات کے لیے باقی رہ گئے ہیں۔ میدان جنگ پر سو سو من کے گولے برسانے والی توپوں' ٹینکوں' زہریلی گیس' مشین گن ہوائی جہاز اور جنگی موٹروں وغیرہ کا قبضہ ہو گیا۔

اس مادی ترقی کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرانی دنیا کی تمام لڑائیوں میں اتنا مال اور اتنی جانیں تباہ نہ ہوئی ہوں گی جتنی تباہی یورپ کی گذشتہ جنگ میں رونما ہوئی۔

بقول علامہ شکیب ارسلان۔ "جرمنوں نے جنگ عظیم میں بیس لاکھ نوجوانوں کو قتل کرایا۔ فرانسیسیوں نے چوبیس لاکھ' انگریزوں نے چھ لاکھ' اطالویوں نے چار لاکھ اور سات ہزار' روس اور ترکی بلجیم وغیرہ کا ذکر نہیں۔"

جان کے بعد مال کا درجہ ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

انگریزوں نے تین ارب پونڈ۔ فرانسیسیوں نے نے دو ارب پونڈ۔ جرمنوں نے تین ارب پونڈ۔ اطالویوں نے پچاس کروڑ پونڈ' روسیوں نے اپنے اموال اس کثرت سے خرچ کیے کہ ان کے ملک میں ہر طرف قحط کی مصیبت ٹوٹ پڑی اور پھر اسی قحط سے بالشویکی بغاوت نے جنم لیا (اسباب زوال امت) ترکوں کے خرچ کا ذکر نہیں۔

بہرحال اگر روسیوں کے جنگ کا خرچ زائد نہیں صرف چار ارب پونڈ ہی رکھا جائے۔ تو گویا عیسائیوں کی پانچ محارب حکومتوں نے اس میدان جنگ پر ساڑھے بارہ ارب پونڈ یعنی تقریباً دو سو تیس ارب روپیہ خرچ کیا۔ یہ جنگ کم و بیش دو سال جاری رہی۔ مختصراً یہ کہ تقریباً پینتیس کروڑ روپیہ یومیہ جنگ کا خرچہ رہا۔

اسپین کی موجودہ چپقلش جو عظیم الشان جنگ نہیں کہلائی جاتی بلکہ معمولی جنگ کی محض تمہید ہے اس میں باغی افواج کا یومیہ خرچ پندرہ لاکھ روپیہ بتایا جاتا ہے۔ حکومت کی فوجوں کا بھی یہی خرچ مانا جائے تو تیس لاکھ روپیہ یومیہ یعنی 9 کروڑ ماہانہ اس معمولی سے میدان جنگ کا خرچ ہے۔

ہندوستان کے آزاد سرحدی علاقوں پر "فقیرایپی" کی جانب سے جو شورش ہو رہی ہے۔ اس کے متعلق گزشتہ دنوں اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ تقریباً دو لاکھ روپیہ یومیہ خرچ ہو رہا ہے۔ یعنی ایک سال میں تقریباً 7 کروڑ روپیہ۔

---

گذشتہ بیان سے ایک معمولی سی روشنی اس امر پر پڑ گئی کہ موجودہ زمانہ میں حکومتوں کے مفاد اور تحفظ کے لیے کس قدر دولت کی ضرورت ہے۔

۱۴

# یورپ کے پاس دولت کہاں سے آئی؟

اور

# عروج یورپ کا اثر اسلامی ممالک پر

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

**اعدولھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل۔"**

جس قدر قوت اور چھاؤنیوں میں رہنے والے گھوڑے تم تیار کر سکو تیار رکھو۔

دوسرے موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے۔

**وانزلنا الحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس۔**

لوہا بھی ہمارا ہی پیدا کردہ ہے اس میں قوت بھی بہت زیادہ ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی بہت زیادہ ہے۔

یہ دو آیتیں قرآن شریف میں ساڑھے تیرہ سو برس سے موجود ہیں اور ہر زمانہ میں ان کی تلاوت ہوتی رہی۔ پہلی آیت میں قوت کی کوئی تشریح نہیں ہے ہاں اس کی غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ **ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم** کہ تم اس سے اپنے اور خداوند عالم کے دشمنوں کو خوف زدہ کرتے رہو۔" ظاہر ہے کہ ہر وہ قوت منشاء آیت کے ماتحت داخل ہو سکتی ہے۔ جس سے اعداء اسلام اور اعداء مسلم خوف زدہ ہوں۔

دوسری آیت میں ایک خاص معجزہ ہے۔ جس خصوصیت سے لوہے کا تذکرہ کیا گیا ہے قرآن پاک میں سونے چاندی ہیرے جواہر وغیرہ کا اس خصوصیت سے ذکر نہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے مخصوص معجزات میں لوہے کو نرم کر دینے اور زرہ سازی کی صنعت کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے اور سلیمان علیہ السلام کو جو نعمتیں عنایت فرمائی گئی ہیں ان میں "عین القطر" پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے اور مسخر ہواؤں کا خاص طور سے ذکر ہے جن سے ان چیزوں کی طرف بہت کچھ اشارہ ہو

سکتا ہے۔ جن کی ضرورت آنے والی حکومتوں کی ہوئی۔

اسلامی حکومتوں نے زمانہ عروج میں فلسفہ' ہیئت یعنی سائنس کی طرف خاص توجہ کی انہوں نے ان فنون کو دوبارہ حیات بخشی اور ان کی تحقیقات میں اس قدر گرم جوشی سے کام لیا کہ صحیح طور پر موجودہ سائنس کے استاد اول وہی ہیں۔ وہ ارشاد الٰہی کے بموجب اپنی طاقت کو بڑھاتے بڑھاتے قلب یورپ "اسپین" میں پہنچ گئے اور وہاں تمدن اور تہذیب کے اعلیٰ نمونے قائم کرکے سارے یورپ میں ایک احساس کی روح پھونک دی۔

لیکن بدقسمتی سے احساس یورپ کی آفرینش کے ساتھ ساتھ خود ان میں تشتت پراگندگی اور طوائف الملوکی کا دور شروع ہوگیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں دنیا نے ایک عجیب تماشا دیکھا۔ کل تک جو زانوئے ادب طے کر رہے تھے آج وہ پراگندہ حال استاد کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ اور بوڑھے استاد کی گردن پکڑ کر عرش عظمت کے بجائے فرش ذلت میں اس کو دھانس دیا۔ اور دنیا کے دیکھتے دیکھتے بوڑھے استاد کی قبر پر فاتحہ پڑھنے والا بھی کوئی نہ رہا۔ اور اس کے علوم و فنون کی وراثت بے وفا اور غدار شاگردوں نے لی۔ **تلک الایام نداولھا بین الناس** یہ انقلاب یورپ کے عروج و ترقی کا پہلا دن تھا۔ جس کے ساتھ مسلمانوں کی تباہی کا لامتناہی سلسلہ وابستہ تھا۔ اس بے وفا شاگرد نے استاد کی تحقیقات کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔ اور جنگی میدانوں اور تجارتی منڈیوں میں اس کا مظاہرہ شروع کیا یہ جدید سائنس کا آغاز تھا۔ بے شک اندلس کی تباہی کے بعد بھی مسلمانوں کی حکومت دنیا کے دو تہائی حصہ پر قائم تھی۔ مگر اس انقلاب ہی سے یورپ میں مسلمانوں سے مقابلہ کی طاقت پیدا ہو گئی تھی جس میں ہماری سرکار کا قدم سب سے آگے تھا۔

ایک عرصہ تک ترکوں کی تلوار یورپ کے سیلاب کی ناکہ بندی کرتی رہی مگر مثل مشہور ہے کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔" اب یورپ کو فراہمی دولت' نیز جدید سائنس کے تجربات کے نتائج کے لیے تجارتی منڈیوں کی ضرورت تھی۔ قرب و جوار کے ممالک پر ترکی کی عظمت اور جلال کا پرچم لہرا رہا تھا۔ انہوں نے ہندوستان جیسے دور دراز ممالک کے لیے خشکی کے راستے بند کر دیے تھے اور

اسے صورت سے تجارتی سلسلوں پر اسلامی ممالک ہی قابو پاگئے تھے۔ تب اہل یورپ نے ان ممالک کے بحری راستے تلاش کرنے کے لیے سمندروں میں گھوڑے دوڑا دیے۔ خوش قسمتی سے اولاً ان کو امریکہ کا راستہ مل گیا اور پھر 1498ء میں اولاً "واسکوڈاگاما" مشہور پرتگیز کپتان اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر کالی کٹ کی بندرگاہ پر آپہنچا۔ اس کے بعد یورپ کے یاجوج ماجوج ہندوستان میں آنے شروع ہوئے۔ اور ہندوستان چین جیسے طویل و عریض ممالک کو اپنی تجارت کے لیے منڈی بنالیا۔

اس زمانہ میں ہندوستان کی دولت اور اس کی صنعت و حرفت کی جو کچھ کیفیت تھی اور پھر جس طرح ان قزاقوں نے ہندوستان کو لوٹا۔ اس کی صنعت کو برباد کرکے مانچسٹر اور لنکا شائر کے کارخانوں کو فروغ دیا۔ اس کی تفصیلات آئے دن "مدینہ" اور الجمعیتہ وغیرہ میں شائع ہوتی رہتی ہیں چونکہ ہماری بحث کا موضوع دوسرا ہے۔ اس لیے اس کی تفصیل سے ہم قاصر ہیں۔ (ملاحظہ ہو "نقش حیات" وغیرہ)

مختصر یہ ہے کہ یورپین کمپنیوں کا پہلا بیوپار تو یہ تھا کہ یہاں کی مصنوعات یورپ بھیجی جائیں۔ اس کے بعد جب یورپ کی صنعت میں ترقی ہوئی۔ تو تجارت کا رخ بھی رفتہ رفتہ پلٹنا شروع کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں میر جعفر کی غداری نے بنگالہ میں اور نظام دکن کی انگریز نوازی نے سلطان ٹیپو کی بربادی کے بعد میسور اور مدراس وغیرہ میں انگریزوں کے قدم جما دیئے تھے اور ان کو موقع دے دیا تھا کہ وہ صناعوں اور تاجروں پر جس قسم کی پابندی عائد کرنا چاہیں کر دیں۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے خاص خاص صنعتوں پر اپنا قبضہ جمایا۔ مثلاً ریشمی کپڑا صرف وہی شخص بن سکتا جو کمپنی کا نوکر ہوتا اور اگر کوئی دوسرا بنتا تو اس کو سزا دی جاتی۔ حتیٰ کہ انگوٹھے تک کٹوا دینے میں دریغ نہ کیا جاتا۔ اور پھر جب رفتہ رفتہ ہندوستان کی مخصوص مصنوعات کی نقل یورپ بھی کرنے لگا تو ہندوستانی مصنوعات پر ٹیکس کا اس قدر بار ڈالا گیا اور یورپ کی مصنوعات کو ٹیکسوں سے اس قدر آزاد کیا گیا کہ یورپ کے مقابلہ میں ہندوستان نے شکست کھائی حتیٰ کہ ساری صنعت و حرفت ختم کر بیٹھا۔

بہرحال ایک طرف یورپ کو جدید سائنس کی ایجادات سے تجارتی منافع حاصل کرنے اور زائد سے زائد دولت فراہم کرنے کے لیے بڑے بڑے براعظم مل

گئے۔ دوسری طرف پوری قوت کے ساتھ ترکوں کی تباہی کے لیے ہر قسم کا مکر اور فریب شروع کیا گیا۔ اور جہاں بھی ممکن ہو سکا۔ بغاوت کرا کر ترکوں کی طاقت کو اس درجہ کمزور بنا دیا گیا کہ یورپ کا قوی ترین مرد یورپ کا مرد بیمار کہلانے لگا۔ اس تاریخی بحث سے دو چیزیں ثابت ہو گئیں۔

1 یورپ کی ترقی کا مدار سائنس جدید یعنی مشینوں اور ملوں کی ترقی پر ہے۔

2- عروج یورپ کے دوسرے معنی یہ تھے کہ اسلامی حکومتیں تباہ و برباد ہوئیں ان کی دولت یورپ کے قبضہ میں آئی۔ کیونکہ دنیا میں ان کے سوا دولت اور اقتدار کا مالک کوئی نہیں تھا۔

## یورپ اور مسلمانوں کی موجودہ طاقت

جس طرح اب سے سات سو برس پیشتر تمام دنیا پر اسلامی اقتدار کا پرچم لہرا رہا تھا اور یورپ کی طاغوتی طاقتیں اس کے سامنے بھیگی دبی اور مرعوب تھیں۔ اس کے بالکل برعکس آج دنیا بھر کے مسلمان مرعوب' بلکہ یورپ کے رحم و کرم پر ہیں اور یورپ کا سفید دیو اسلامی ممالک کے گوشت پوست میں اپنے ٹیڑھے ناخن گڑے ہوئے ہے۔

جبرالٹر' ٹیونس الجیریا' مالٹا' مصر' سماترا' جاوا' ملایا' ہندوستان وغیرہ یورپ کے غلام ہیں۔ ترک' ایران' افغانستان آزاد ہیں' مگر افلاس زدہ' نہ ان کے پاس کارخانے ہیں نہ مل' نہ تجارت پر ان کا قبضہ حتیٰ کہ ان کو اسلحہ خریدنے کے لیے بھی یورپ کے سامنے ہی جھکنا پڑتا ہے اگر یورپ ان کو اسلحہ نہ دے اور آج متحد ہو کر ان حکومتوں کو فنا کرنا چاہے تو چند مہینوں میں ان تمام ممالک پر قبضہ جما سکتا ہے۔ مگر

خدشرے برانگیزد کہ خیرے مادراں باشد

یورپ کی اندرونی کشاکش۔ ان حکومتوں کی حیات و بقا کا سامان بن گئی۔ فلسطین' یعنی مسلمانوں کا قبلہ اولےٰ ذبح کیا جا رہا ہے۔ وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے اور برطانیہ کے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں کہ وہ فلسطین پر قبضہ جمائے۔ تاکہ بحر روم اور بحر احمر کے اندر اس کی حیثیت محفوظ رہ سکے۔ عراق اور شام نے دوبارہ جنم لیا ہے۔ ان کی حقیقت گہوارے کے شیر خوار بچہ سے زیادہ نہیں۔

یمن، حجاز، نجد، شرق اردن وغیرہ عربی ریاستیں، اٹلی یا انگریز کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہ دونوں خونخوار درندے ان پر اپنی نگاہیں گڑائے ہوئے ہیں اور حال ہی میں جو اٹلی اور برطانیہ کا معاہدہ ہوا ہے۔ اس سے یہ سمجھ لینا مشکل نہیں کہ آپس میں ان دونوں ملکوں کے متعلق برطانیہ اور اٹلی کا کوئی بڑا رہ ہو گیا ہے۔ اسی معاہدہ کی ایک دفعہ یہ ہے کہ عرب کی آزادی کا احترام کیا جائے گا اور اگر کوئی طاقت عرب یا یمن پر حملہ آور ہو تو برطانیہ اور اٹلی متحد ہو کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایران، عراق، افغانستان اور ترکی کا جو باہمی فیڈریشن قائم ہوا ہے وہ اگر عرب کو اپنی پناہ میں لینا چاہے تو برطانیہ اور اٹلی اپنی خونخوار طاقت سے اس فیڈریشن کے پرخچے اڑا ڈالیں گے۔

## نتیجہ کلام

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ دنیا کی موجودہ تباہ حالی بربادی کی واحد ذمہ دار جدید سائنس ہے یعنی مشین اور مل ان حالات کے پیش نظر سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

1- دنیا سے بڑھتے ہوئے افلاس کو کس طرح دور کیا جائے؟

2- اسلامی حکومتوں کا اور بالخصوص کعبہ مکرمہ و قبلہ اولیٰ کا تحفظ کس طرح کیا جائے؟

3- جو اسلامی ممالک غلام ہیں ان کو کس طرح آزاد کرایا جائے۔

پہلے سوال کا تعلق تمام دنیا سے ہے اور دوسرے و تیسرے سوال کا تعلق خاص مسلمانوں سے۔ **(سرمایہ داری نظام)**

سوال کیا جائے گا کہ جب انگلستان میں فی کس آمدنی کا اوسط 5/ روپے ہے اور اسی کے قریب قریب اوسط آمدنی جرمنی۔ امریکہ۔ اٹلی وغیرہ کا بھی ہے تو ان ممالک میں تو افلاس نہیں۔ لیکن درحقیقت یہ فریب نظر ہے اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ کروڑ پتیوں کی اور مالکانہ مل کی آمدنی کو اگر پورے ملک پر تقسیم کر دیا جائے تو فی کس 5 یومیہ ہو۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہاں۔ کے ہر باشندے کو فی الواقعہ 5 یومیہ ملتے ہیں۔ عوام کے افلاس کی حالت وہاں بھی یہی ہے۔ البتہ آزاد

ممالک میں اس کا لحاظ کیا جاتا ہے کہ کوئی بھوکا نہ رہے وہاں خاص خاص شرائط کے ساتھ بیروزگاروں کے لیے وظائف بھی مقرر کیے جاتے ہیں۔ انگلستان میں بے روزگار کو تقریباً ایک روپیہ یومیہ دیا جاتا ہے۔

اٹلی، جرمنی، امریکہ، برطانیہ وغیرہ میں کروڑ پتیوں کی تعداد بہت کافی ہے دو چار کروڑ پتی مل کر مل قائم کر لیتے ہیں اور کروڑ ہا روپیہ کا نفع کماتے ہیں اس نفع میں سے حکومت کا حصہ بھی ہوتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ حکومت پر ان کروڑ پتیوں کا تسلط رہتا ہے۔ اسی کا نام آج کل کی اصطلاح میں فسطائیت یا فاسیزم ہے۔

## کمیونزم۔ سوشلزم وغیرہ

مثل مشہور ہے ہر فرعونے را موسیٰ۔ اس تباہ حالی کو دور کرنے کے لیے ایک حل سوچا گیا ہے جس کا مقصد یہ تھا کہ سرمایہ کا فائدہ جمہور کے لیے زیادہ سے زیادہ عام کر دیا جائے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سرمایہ کو افراد کی ملک سے نکال کر حکومت کی ملک قرار دیا جائے اور سارے ملک کو ایک گھرانا فرض کرکے ملک کے ہر باشندے کی ضروریات کا تکفل حکومت کا فرض قرار دیا جائے۔

بچوں کی تربیت اور تعلیم، مریضوں کا علاج اور ہر شخص کو کام پر لگانا حکومت کا فریضہ ہو۔ اگر حکومت کسی شخص کو کام پر نہ لگا سکے تو اس کی روزی مہیا کرے اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ سوشلزم۔ کمیونزم اور اشتراکیت وغیرہ کی اصطلاحات مقرر کی گئی ہیں۔

اس تحریک کا آغاز روس سے ہوا۔ چونکہ مالکان مل اور بڑے بڑے زراعتی فرموں کے مالکان کے لیے یہ تحریک پیغام موت تھی۔ انہوں نے اس کی مخالفت کی زار روس کی حکومت سرمایہ داروں کے قبضہ میں تھی۔ اس نے اس تحریک کو بری طرح کچلنا چاہا۔ علماء اور پادریوں نے سرمایہ داروں اور حکومت کا ساتھ دیا۔ تو لامحالہ اس تحریک کو سرمایہ داری کے ساتھ مذہب سے بھی بیر ہو گیا۔ اور اب مذہب سے قطعاً آزاد ہو کر انہوں نے قانون بنایا کہ ملکیت کا قطعاً" خاتمہ کر دیا جائے۔ مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے۔ عورتوں اور مردوں کو طبعی میلانات کے بموجب عام آزادی دی جائے۔ وغیرہ۔

اب یہ تحریک اقتصادی یا سیاسی ہونے کے ساتھ مذہبی بھی ہو گئی اور اب

نقشہ جنگ اس طرح قائم ہوا کہ مذہب اور شہنشاہیت ایک طرف اشتراکیت دوسری طرف۔ ایک کی کوشش تھی کہ اشتراکیت برباد ہو۔ اور اشتراکیت کا نعرہ تھا کہ مذہب برباد ہو۔

اے کاش مذہبی طبقات حکومت زار کا ساتھ نہ دیتے۔ قید و بند' نقصان جان و مال اور ضبطی جائداد کے خطرات سے مرعوب نہ ہو کر ہمدردی عوام کا ثبوت پیش کرتے تو مذہب و شہنشاہیت کو ایک ہی صف میں نہ کھڑا کیا جاتا اور اشتراکیت کو مذہب سے بیر نہ ہوتا۔

روس میں مسلمان' بودھ اور عیسائی رہتے ہیں۔ ملک کی کل مردم شماری تقریباً 14 کروڑ ہے جس میں تقریباً 3 کروڑ مسلمان ہیں۔ باقی بدھ اور عیسائی روس کی اشتراکیت کو کسی خاص فرقہ سے دشمنی نہ تھی بلکہ اس کو مذہب سے دشمنی تھی۔ عام باشندگان روس کے جذبات بھی ہندوستانیوں کی طرح مذہب کے گرویدہ تھے' مگر خدا جانے اس اشتراکیت نے ان پر کیا اثر کیا کہ یہ تحریک عام ہو گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب اور شہنشاہیت دونوں کا جنازہ ساتھ ساتھ اٹھا۔

روس کے انقلاب نے دنیا کے سامنے عجیب و غریب تجربات کا مظاہرہ کیا۔ اس نے ہمیں یہ سبق اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا کہ ذاتی نفع اور راحت و آرام کے سامنے مذہبی جذبات ماند پڑ جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ جو طبقہ انقلاب میں قربانیاں نہیں پیش کرتا۔ انقلاب کے بعد سب سے پہلے اس کو فنا کے گھاٹ اتارا جاتا ہے۔ اس کو فنا کر دیا جاتا ہے۔ یہی سبق ہمیں مصطفیٰ کمال کے کارناموں نے بھی سکھایا اور ہندوستان کے عام باشندگان میں اس کا تجربہ ہم دن رات کر رہے ہیں۔

مذہب کا نام اسی وقت تک ہے جب تک ذاتی نفع یا راحت و آرام سے تصادم نہ ہو۔ مسلم لیگ خوش ہوتی ہے کہ اس نے الیکشن جیت لیا مگر ہم اپنی آنکھوں کو کس طرح جھٹلا دیں۔ ہمیں قلق اس کا ہے کہ ووٹ نہ ملکی مفاد کو دیا جاتا ہے۔ نہ اسلامی مفاد کو' ووٹ دیا جاتا ہے۔ چند سفید ٹکیوں کو' کیوں؟ اس لیے کہ فاقہ اور افلاس نے روپیہ کی قیمت ملک اور مذہب دونوں سے بالاتر کر دی ہے۔

مسلم لیگ اپنی کامیابی سے خوش ہوتی ہے مگر ہمیں یقین ہے کہ یہ کامیابی اس وقت تک ہے جب تک فاقہ اور افلاس کے دور کرنے کا صحیح علاج پبلک کو نہ

معلوم ہو۔ اس لیے مسلم لیگ کی یہ کامیابی ہمارے نزدیک اس کی ناکامی کا پیش خیمہ ہے۔

مگر فاقہ اور افلاس کا احساس روز بروز عام ہوتا جا رہا ہے۔ شہروں میں رہ کر آپ خواہ مسلم لیگ قائم کر لیں خواہ مہاسبھا۔ لیکن کاشت کار کے جب لگان میں تخفیف ہو یا اس کو یہ بتایا جائے کہ اس سال لگان نہ دینا۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو پھر نہ مسلم لیگ کا ہلالی پرچم کام آئے گا۔ نہ مہاسبھا کا مہابیرول

کانپور میں گزشتہ دنوں 42 ہزار مزدوروں نے ہڑتال کر دی وہاں بہت کچھ ہندو مسلمان کا سوال پیدا کیا گیا' مگر وہ سب بیکار رہا۔ کیونکہ اس سوال سے ان کی مزدوری میں اضافہ نہیں ہو سکتا ہے۔ بالآخر مسلم لیگ بھی عملاً کانگرس کے ساتھ ہی مل گئی۔

## اقتدار مسلم اور اشتراکیت

دنیا کے حالات کے پیش نظر اب آپ یوں کہئے کہ دو نظریوں میں مقابلہ ہے۔ ایک اشتراکیت یا سوشلزم' دوسرے سرمایہ داری یا فاسیزم دنیا کی بساط سیاست پر ان دو مہروں کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ مذہب کا سوال پیچھے رہ گیا۔ بلکہ یہ کہا جائے تو بجا ہے کہ مذہب' سیاست کے تابع کر لیا گیا ہے۔ پچھلے دنوں سنا ہو گا کہ جاپان مسلمانوں کو خاص خاص مرعات دے رہا ہے۔ وہاں عالی شان مسجد بنوائی گئی۔ مصر وغیرہ سے مبلغین بلائے گئے وغیرہ' کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ اس صورت سے چین کے مسلمانوں کی حمایت حاصل کر سکے اور اس طرح ان کو چینی حکومت سے باغی بنا سکے۔ اٹلی کے ڈکٹیٹر یعنی مسولینی کو آج مربی اور محافظ اسلام کہا جا رہا ہے۔ مگر کیا اس سے زیادہ کوئی ستم ظریفی ہو سکتی ہے؟ آج دنیا میں دو محاذ جنگ ہیں۔ مغرب بعید میں اسپین۔ مشرق بعید میں چین' نکتہ نظر دونوں لڑائیوں کا وہی فاسیزم اور سوشلزم ہے اور ان ہی نظریوں کے اختلافات نے ہر ایک فریق کے دل میں تعصب اور حمیت کی وہ آگ بھر دی ہے کہ مذہبی تعصب اس کے سامنے بردوسلام ہو گیا۔ (مسلم دنیا کدھر جائے)

سوال یہ ہے کہ مسلم قوم دنیا میں کس نظریئے کی حمایت حاصل کرے اگر وہ فاسیزم کی حمایت حاصل کرتی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مشین اور ملوں کے

اسی تباہ کن اقتدار کا ساتھ دیا جا رہا ہے جو تباہی عالم کا باعث بنا ہوا ہے اور چونکہ خود مسلمانوں کے پاس مشینیں اور مل نہیں ہیں تو وہ لامحالہ ان طاقتوں کے غلام بنے رہیں گے۔ جو ملوں اور مشینوں کے مالک ہیں۔ اور ان ہی واقعات کا تجربہ کرتے رہیں گے جس کا تجربہ کرتے ہوئے انہیں صدیاں گذر گئیں۔ کیونکہ سرمایہ دار حکومتوں کا مطمح نظر یہی ہو سکتا ہے کہ ان کی سرمایہ داری برقرار ہے اور استعماری طمع کی شکم پری ہوتی رہے۔

ان کی شفقت و نوازش کا ہر ایک جام حرص و طمع کے حباب سے لبریز ہوتا ہے جس کی نظیر میں بے شمار تاریخی شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں اور حال کا معاہدہ اٹاوہ اور کرنسی پالیسی اس کی روشن نظیر ہے۔ کسی قدر واضح الفاظ میں ان کے ہر ایک معاہدہ صلح و آشتی کا پس منظر یہ ہو گا کہ یہ اسلامی ممالک ہماری تجارت کی منڈی بنی رہیں یا ان کے ذریعہ سے ہم دوسری تجارت کی منڈیوں تک پہنچ سکیں۔ اول صورت میں اسلامی ممالک کی تجارت کو اندرون ملک بھی فروغ نہیں ہو سکتا۔ اور موجودہ مفلسی اور قلاشی کا عہد ہی ان پر مسلط رہے گا۔ دوسری صورت میں ان کی تجارت اپنے ہی ملکوں میں محدود رہے گی۔

سرمایہ دار یا فاسسزم طاقتوں سے صلح و آشتی رکھنے میں اسلامی حکومتوں کے لیے دوسری مصیبت یہ رہے گی کہ اشتراکیت کے جراثیم رفتہ رفتہ اسلامی ممالک میں نفوذ کرکے پبلک کو حکومت کے مقابلہ میں صف آرا کرتے رہیں گے اور ہر اسلامی مملکت کو کارزار اسپین کا میدان بناتے رہیں گے اور پھر اگر ضرورت ہوئی تو یہ فاسسزم طاقتیں بھی بار بار دنیا کی تاریخ میں بغاوت عرب یا عہد امان اللہ کے انقلاب افغانستان کا اعادہ کراتی رہیں گی۔

لیکن اشتراکیت کی حمایت اگر ممالک اسلامیہ حاصل کرلیں تو وہ ان خطرات سے محفوظ رہتے ہوئے خود اشتراکیت کی اصلاح بھی کرسکتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں سے زیادہ بالشویک مسلمانوں کے محتاج ہوں گے اور اس وقت دنیا ایک نئی لیگ آف نیشن یعنی جمعیۃ الاقوام کا نظارہ کرے گی جو ایشیائی اقتدار کے ماتحت ہو گی۔

اور چونکہ ایشیاء کے بیشتر حصہ پر اب بھی مسلمانوں کا قبضہ ہے تو اس لیگ آف نیشن پر اقتدار مسلم کا پرچم لہرائے گا اور اس صورت سے دنیا پھر خلافت عباسیہ

یا دولت عثمانیہ کی پر شوکت تاریخ کا نظارہ کرے گی۔

## آزاد ہندوستان کی حیثیت

ملت اسلامہ کے غدار، بد اندیش، سیاست سے نابلد، پالیٹکس کے کور باطن مدعی، برٹش فرعونیت کے کاسہ لیس، آستانۂ فرنگ پر سجدہ بیز، شور مچا رہے ہیں کہ "ظل برطانیہ کا زوال مسلمانوں کی موت ہے۔"

"آزاد ہندوستان کا ہندو مسلمان کو برباد کر دے گا۔"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ انقلابی دماغ اس قسم کی لغویات کو مالیخولیا کہا کرتے ہیں۔ آج دنیا کا کوئی ملک بھی ایسا نہیں جو ہمسایہ ممالک سے صلح کیے بغیر زندہ رہ سکے۔ برطانیہ کی فرعونی شہنشاہیت بھی رات دن نئے نئے معاہدے کرکے تحفظات حاصل کرنے پر مجبور ہے پھر بھی وہ بدحواس کہ خاطر خواہ تحفظ نصیب نہیں ہوا۔

تو کیا آزاد ہندوستان ہمسایہ ممالک سے بے نیاز ہو سکے گا؟

ہمارا سب سے پہلا فرض انگریز کو ہندوستان سے نکالنا ہے اور بقول مجاہد جلیل مجدد ملت سیدنا شیخ الہند ثانی حضرت مولانا حسین احمد صاحب "انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے اگر ہمیں کتوں سے بھی صلح کرنی پڑے تو ہم اس سے بھی دریغ نہ کریں گے۔"

## آزادئ ہند کے بعد (خارجہ پالیسی)

ہمارا پہلا دوست افغانستان اور ایران ہو گا۔ جس سے ہمارا نسلی رشتہ آغاز دنیا سے قائم ہے۔ افغانستان اور ایران کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہندوستان کو اس فیڈریشن کا اہم جز بنا دے گا جو ممالک اسلامیہ کے دول اربعہ یعنی افغانستان ایران، عراق اور ترکی میں قائم ہوا ہے اور اس طرح یہ میثاق سعد آباد۔ سعادت ایشیا کا ابجد ہو گا۔ ہم اس کوشش میں بھی دریغ نہ کریں گے کہ سوویٹ روس اس فیڈریشن میں داخل ہو کر ایشیا کا پلہ یورپ سے بالا کر دے گا۔

ہمارا دوسرا ہمسایہ مصر ہو گا۔ عدن کے ہم قدرتی محافظ ہوں گے۔ اور اس وقت ہم برٹش کو چیلنج کریں گے کہ وہ جدہ سے اپنی تمام فوجیں ہٹا لے اور امام یمن اور سعودی حکومت کو مجبور کریں گے کہ وہ ان تمام معاہدات کو یک قلم منسوخ کر

دے جو اس نے برطانیہ یا اٹلی سے کیے ہیں اور نہایت اطمینان کے ساتھ ہمارے فیڈریشن میں داخل ہو جائے۔

اور اس وقت ہم ارض مقدس کی رہائی کے لیے التجا اور استدعا سے کام نہ لیں گے بلکہ ہماری آزادی ہی ارض مقدس کی آزادی اور قبلہ اول کا تحفظ ہو گا۔

یہ تو ناممکن ہے کہ آزاد عربی ریاستیں اس وقت ہمارے فیڈریشن میں داخل نہ ہوں۔ اور فرانس یا برطانیہ کی بدستور غلام بنی رہیں۔

ہم نہایت مسرت کے ساتھ تحریک وحدت عرب کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس کو اس حریت اور عروج سے باریاب کر دیں گے۔ جس کا خواب وہ سو برس سے دیکھ رہے ہیں اور جس کے لیے وہ آئے دن برطانیہ اور فرانس کے درندوں سے قسم قسم کے مظالم سہتے رہتے ہیں۔ اس وقت ہمارے لیے بہت ممکن ہو گا کہ شہنشاہ اکبر کی طرح خانہ کعبہ اور حرم مدینہ طیبہ کے لیے چوکھٹ سونے کی بنوا دیں۔ حجاز مقدس میں کارخانے اور صنعت گاہیں قائم کرکے اس کے افلاس کو دور کر دیں۔ وہاں سڑکیں اور نہریں نکلوا کر پھر آبادی سبا کا نقشہ دنیا کو دکھا دیں۔

مشرق میں چین ہمارا ہمسایہ ہے۔ وہ کمزور ہے[1] کمزور پر رحم کرنا ہمارا پہلا فرض ہو گا۔ جاپان اگر زیادتی سے باز نہ آیا تو اولاً ہمارا فیڈریشن اس سے بائیکاٹ کرکے اس کے آباد کارخانوں کو برباد کر دے گا۔ اور اس کو وہ اقتصادی موت نصیب ہو گی کہ دنیا میں اس کا نام و نشان باقی رہنا بھی مشکل ہو جائے گا لیکن اگر وہ بھی ہماری ایشیائی لیگ میں داخل ہو جائے تو ہماری طاقت تمام دنیا پر چھا جائے گی۔ اور یورپ قرون اولیٰ کی طرح پھر نکبت اور افلاس کے جمود میں قدیم وحشت کی طرف عود کر جائے گا۔

ہندوستان کے مشرقی اور جنوبی ساحلوں پر ہمارے جنگی بیڑوں کی عظمت و شوکت ہرگز گوارا نہ کرے گی۔ کہ برہما، لنکا، ملایا، فلپائین، زنجبار وغیرہ کسی کے غلام رہیں۔ ہماری عظمت و جلال کے عظیم الشان پرچم ان کے محافظ ہوں گے اور وہ حریت اور آزادی کی محبوبہ سے ہم آغوش و ہمکنار ہوں گے۔

دنیا اور بالخصوص عالم اسلام کے لیے یہ تمام رحمتیں صرف ہماری آزادی

---

[1] : اب انقلاب کی بدولت خط کی بڑی طاقت ہے (فاؤنڈیشن)

پر منحصر ہیں۔ اس لیے آزادی ہندوستان کی جدوجہد ہمارا انسانی اخلاقی و مذہبی فرض ہے اور ہندو تو درکنار اگر اس آزادی کے لیے ہمیں ہندوؤں سے بھی صلح کرنی پڑے تو ہم ہرگز ہرگز دریغ نہ کریں گے۔

## علماء ہند اور ذوق انقلاب

ممکن ہے احقر کے ان خیالات کو ۱۸۵۷ کی پیداوار خیال کیا جائے مگر یہ جماعت علماء کی توہین ہے اور ان کی عظیم روایات اور شاندار تاریخ سے قطعاً ناواقفیت کا ثبوت ہے۔

آزادی ہند کے لیے جس قدر قربانیاں علماء ہند نے پیش کی ہیں ان کی مثال ہندوستان کی کوئی جماعت نہیں پیش کر سکتی۔

1839ء میں سیدنا حضرت سید احمد صاحبؒ اور سیدنا مولانا اسمٰعیل صاحبؒ شہید ہوئے ان دونوں بزرگوں نے یہ چاہا تھا کہ شمالی مغربی پہاڑیوں کی طرف سے حملہ آور ہو کر اولاً رنجیت سنگھ کی حکومت کا خاتمہ کر دیں جو دہلی اور افغانستان کے درمیان حائل ہو گئی تھی اور جس نے انگریزوں سے میثاق مودت و نصرت مستحکم کر کے انگریزوں کو موقع دے دیا تھا کہ وہ اطمینان سے تمام ہندوستان کی ریاستوں اور اسلامی حکومتوں کو زیر نگیں کر لیں۔

ان دونوں بزرگوں نے ایک لاکھ سے زیادہ جمعیت فراہم کر لی تھی۔ مگر رقیب شاطر نے عین موقع پر روپیہ کی بے پناہ بارش کے ساتھ وہابی کا لفظ ایجاد کر کے سید صاحب اور حضرت شہیدؒ کے لشکر میں افتراق پیدا کر دیا۔ جس کا نتیجہ ان دونوں بزرگوں کی ظاہری شکست تھی جو شہادت کے ارغوانی لباس میں ظہور پذیر ہوئی۔

اس سے صرف ستائیس سال بعد ہندوستان کا مشہور جہاد حریت شروع ہوا۔ جو غدر 57ء کے ناجائز نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس میں اگرچہ عام ہندو اور عام مسلمان برابر کے شریک تھے۔ مگر حضرات علماء کرام نے اس موقعہ پر اپنے فرائض کو قائدانہ سرپرستی کے ساتھ نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ مگر افسوس کہ ہندوستان کو اپنے سابق تغافل کی سزا بھگتنی باقی تھی۔ اس جہاد کا نتیجہ برعکس رہا اور ہندوستان میں انگریزوں کا اقتدار دو چند ہو گیا۔

لیکن ہندوستان کے پوشیدہ جذبات نے 1885ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھ دی۔ جس کی مخالفت میں سرسید نے ایسوسی ایشن قائم کیا جس کی قیادت کی باگ ڈور مسٹر بیک مارلیسن اور مسٹر ارچبولڈ کے انگریزی ہاتھوں میں تھی جس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو تحفظات اور خطرات کی تلقین کی گئی۔ اور ذبیحہ گاؤ کی بندش کا خطرہ ایجاد کیا گیا۔ (دیکھو روشن مستقبل) لیکن حضرات علماء کرام نے اس ایسوسی ایشن کی مخالفت کرتے ہوئے انڈین نیشنل کانگریس کی جدوجہد میں شرکت کا فتوی دیا۔ ان تمام روایات کی مکمل تفصیل ناظرین احقر کے رسالہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ جو بعنوان "علماء ہند کا شاندار ماضی"* عنقریب شائع ہو گا۔ (انشاء اللہ") علماء ہند نے شروع ہی سے انگریزوں اور انگریزی حکومت سے مقاطعہ کا فتویٰ دیا۔

آزاد مدارس عربیہ کا قیام گویا غیور مجاہدین اسلام کی تنظیم تھی جس کا سلسلہ 1288ھ سے قائم کیا گیا اور 1297ھ اس انقلابی نظام کی بنیاد رکھی گئی جس کا نام بعد میں "موتمر الانصار" ہوا جس کے نتیجہ کے طور پر جنگ عظیم کے زمانہ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کی وہ تجویز بروئے کار آئی کہ ترکوں کو براہ کابل ہندوستان پر حملہ آور کیا جائے' مگر افسوس ترکی اور جرمنی کے سقوط اور عربوں کی بغاوت نے اس تجویز کو ناکام کر دیا۔ مگر یہ فائدہ ضرور ہوا کہ افغانستان مکمل آزاد ہو گیا ان تمام واقعات کی تفصیل آپ کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

بے شک سیدنا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ معہ اپنے رفقاء کے گرفتار ہوئے مالٹا میں شاہی قیدی کی حیثیت سے کئی سال تک مبتلا قید و بند رہے۔ مگر کیا اس بوڑھے شیخ کے جذبات میں کچھ بھی فرق آیا؟ مالٹا تمام دنیا کے سیاسی قیدیوں کا مرکز تھا۔ وہاں سالہا سال کے قیام نے حضرت موصوف اور سیدنا شیخ الہند ثانی مولانا حسین احمد صاحب قبلہ کو تمام دنیا کی سیاست کے مطالعہ کا بیش از بیش موقع دیا۔

واپسی مالٹا پر حضرت شیخؒ نے ایک دوسری اسکیم کی تلقین کی۔ کہ جملہ باشندگان ہند کو انگریز کے مقابلہ اور ہندوستان کی حریت کے لیے ایک مشترک محاذ قائم کر کے ترک موالات وغیرہ کے ذریعہ عدم تشدد کی جنگ لڑنی چاہیے۔

---

* یہ کتاب کئی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے (فاؤنڈیشن)

یہ آخری اسکیم ہے جس پر آج عملدر آمد ہو رہا ہے۔

حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے زمانہ سے دور حاضر تک علماء ربانی کے فتاوی اور ان جلیل القدر علماء کی سیاسی قربانیوں کا تذکرہ شرح و بسط کے ساتھ آپ ان شا اللہ علماء ہند کا شاندار ماضی" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ واللہ الموفق و ہوالمعین۔

## ہم ہندوستان میں کیا چاہتے ہیں (اقتصادی پالیسی)

سابق بیان سے کسی قدر ان فوائد پر روشنی پڑ گئی جو ہندوستان کو کامل آزاد ہونے کے بعد مل سکتے ہیں۔ لیکن یہ انتظار باقی رہ گیا کہ ہم ہندوستان میں کیا چاہتے ہیں۔

مالکان مل اور انگریز خائف ہیں کہ ہندوستان کی آزادی ان کی موت ہے بیشک انقلاب کا یہی فیصلہ ہو گا اور وہ مالک الملک رب العالمین جس کی شان ہے۔

**توتی الملک من تشا وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتزل من تشاء**

(تو جس کو چاہتا ہے ملک بخشتا ہے اور جس سے چاہتا چھین لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے)

**نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثین۔**

(ہمارا ارادہ بھی یہی ہے کہ ان لوگوں پر احسان فرمایا جائے جو خدا کی زمین میں کمزور کروائے گئے ہیں انہیں کو مقتدا بنایا جائے اور انہیں کو قائم مقام بنا دیا جائے۔)

لیکن عام باشندگان ہند کے لیے ہماری جدوجہد مبارک ہی مبارک ہے ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہو گا کہ ہم ہندوستان سے فاقہ و افلاس دور کر دیں اور ان کے لیے روزگار مہیا کریں (باذن اللہ) جس کے معنی ہماری اصطلاح میں مثلاً یہ ہیں کہ بر سر روزگار فیملی (کنبہ جس میں کم از کم میاں بیوی کے علاوہ چار پانچ بچے بھی ہوں) کو سالانہ پانچ سو روپے ملتے رہیں۔ یعنی تقریباً 14 روپیہ ماہانہ اور اگر گورنمنٹ کسی کام پر نہ لگا سکے تو اس کے اور اس کی بیوی اور دو تین بچوں کے لیے تیس روپیہ ماہوار گورنمنٹ کی جانب سے ضرور ملتے رہیں تاکہ ہندوستان ظاہری اور معنوی ہر حیثیت سے گذشتہ زمانوں کی طرح پھر سونے کی چڑیا ہو کر دنیا

میں بلند مرتبہ حاصل کرے۔

## افلاس کیسے دور کر سکتے ہیں؟

اس وقت ہندوستان کا فوجی خرچ تقریباً ساٹھ کروڑ روپیہ سالانہ ہے اور اس کے سوا انگریزوں کی پنشنوں، دفتری ملازمتوں اور دیگر مدات حکومت پر مجموعی طور سے اتنا ہی خرچ کیا جاتا ہے۔ لیکن گورنمنٹ ملازمتوں پر جس قدر خرچ کیا جاتا ہے اس میں یورپ والوں کو وہم و گمان سے کہیں زیادہ ترجیحات دی گئی ہیں۔

عام طور سے ایک ہندوستانی اور انگریز کی تنخواہ میں ایک اور پچاس کا فرق ہوتا ہے اور پھر اکثر جگہ یہ نسبت ایک اور سو کے تفاوت تک پہنچ جاتی ہے مثلاً سپاہی پٹواری، چپڑاسی وغیرہ جو ایک سرے سے دوسرے دوسرے تک ہندوستانی ہی ہوتے ہیں ان کی تنخواہ اوسطاً 15 روپے ہوتی ہے اور ڈپٹی کلکٹر جو انگریز کا کم سے کم عہدہ ہے اس کی تنخواہ ساڑھے سات سو ہوتی ہے ملاحظہ فرمایئے ایک اور پچاس کی نسبت ہو گئی۔ کلکٹر کی تنخواہ بارہ سو یا ایک ہزار سے شروع ہو کر بائیس سو تک پہنچتی ہے۔ اگر اوسطاً کلکٹروں یا سپرنٹنڈنٹ پولیس کی تنخواہ ماہانہ 15 سو روپیہ رکھی جائے تو ایک اور سو کی نسبت کا تفاوت ہو جاتا ہے۔

ڈپٹی کلکٹر وغیرہ کے عہدوں پر اگرچہ آج ہندوستانی بھی نظر آتے ہیں۔ مگر یہ کانگریس کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ ورنہ انگریز نے یہ تمام عہدے خالصاً انگریزوں کے لیے تجویز کیے تھے اور اسی وجہ سے یہ تفاوت رکھا گیا تھا کمشنر۔ گورنر جنرل اور اسی قسم کے دیگر عہدہ داروں کی تنخواہ کی نسبت ایک اور ہزار کی ہو جاتی ہے۔

ہندوستانی فوج کا بیشتر حصہ یورپین یا اینگلو انڈین ہوتا ہے جس کی تنخواہ عموماً ہندوستانیوں کی تنخواہ سے چھ گنی زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن کوئی بھی ہندوستانیوں کی خیر خواہ حکومت اس لوٹ کو جائز قرار دے گی؟ کانگرسی وزراء نے اپنی تنخواہ بجائے چار ہزار پانچ ہزار ماہانہ علاوہ بھتہ کے صرف پانسو روپیہ ماہانہ مقرر کرکے ایک نمونہ پیش کر دیا ہے۔ **(فوجی اخراجات میں کمی)**

ہم ہندوستان کے صدر جمہوریہ کی تنخواہ بھی پانسو ماہانہ سے زیادہ تجویز نہیں کریں گے۔ ہر باشندہ ہند کو جبراً فوجی تعلیم دے کر فوج کی ضرورت میں زائد سے زائد تخفیف کر دیں گے اور فوجی صرفہ 60 کروڑ کی بجائے پانچ کروڑ مقرر کریں

گے ہاں حسب گنجائش حربی سازو سامان کی فراہمی پر زائد سے زائد روپیہ خرچ کرکے ہندوستان کو دنیا کی بہترین طاقت بنانے کی کوشش کریں گے۔

بہرحال ہندوستانی ملازمتوں کی اس مسرفانہ اور ظلم پرور فضول خرچیوں میں اعتدال سے کام لیا جائے تو ایک ارب یا سوا ارب کے بجائے (جو حکومت و افواج ہند کا موجودہ خرچ ہے) حکومت کا پورا خرچ دس بارہ کروڑ میں چل سکتا ہے۔

## (قومی صنعتی نظام)

اس کے بعد اگر انگریزی مال کی درآمد بند کر دی جائے۔ ریلوے کے منافع ہندوستان کے لیے مخصوص ہو جائیں جہازوں کے ٹیکس اور اس قسم کے سینکڑوں مختلف ٹیکس اگر ہندوستان ہی کے لیے محفوظ ہو جائیں تو ہر سال ہندوستان میں کم و بیش تین ارب روپیہ بچ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر ہر قسم کے مل حکومت کی ملکیت قرار دے دئے جائیں۔ یعنی مثلاً شکر کا مل قائم کرنا صرف حکومت کا حق ہو۔ جب مل حکومت کی ملک ہو گا تو مل پر لامحالہ کوئی ٹیکس نہ ہو گا اور پھر یہ بھی ممکن ہو گا کہ ریلوے محصول بھی کم سے کم لگایا جائے اور ضرورت کے وقت وہ بھی نہ رکھا جائے اور اسی طرح چنگی وغیرہ میں تخفیف ہو جائے تو ان ٹیکسوں کے اٹھ جانے سے اگر آج شکر بازار میں روپیہ کی چار سیر بکتی ہے تو پھر بآسانی 8 سیر اور دس سیر فروخت ہو سکے گی۔ اسی طرح کپڑے وغیرہ تمام چیزوں کو قیاس کرلیجئے اور جبکہ مل اور مل کی تمام مشینیں اور تمام پرزے وغیرہ ہندوستان ہی کے بنے ہوئے ہوں تو ارزانی دو چند سہ چند اور روپیہ کا نفع بھی بدرجہا زائد ہو سکتا ہے' لیکن جب تک ہمارے قبضہ میں یہ تمام چیزیں نہ آئیں تو ہمیں ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں استعمال کرنی چاہیں۔ تاکہ ہندوستان کے کاریگروں کی زیادہ سے زیادہ پرورش ہو سکے۔ بہرحال ان تمام ملوں اور ٹیکسوں پر قبضہ کر لینے کے بعد کم از کم پانچ ارب روپیہ سالانہ حکومت ہند کو بچ سکتا ہے۔ جب کہ ہزاروں قسم کے کارخانے قائم ہونے سے روزگار میں بدرجہا اضافہ ہو کر بیروزگاری برائے نام باقی رہ جائے گی اور مان لو کہ بیروزگاری اب بھی باقی رہتی ہے تو جب حکومت کا فرض ہو کہ وہ یا تو کام پر لگائے ورنہ بیروزگاروں کو وظیفہ دے تو پانچ ارب روپیہ سالانہ میں سے بحساب فی کس ماہانہ آٹھ کروڑ یعنی ہندوستان کی ایک چوتھائی مردم شماری کو وظیفہ دیا جاسکتا ہے فی کس کے حساب سے چار کڑور کو۔ یہ بجٹ اس صورت میں ہے کہ کوئلہ' تیل' لوہا' تانبہ' پیتل' جست' سونا' چاندی کی کانوں۔ پہاڑوں سے نکلنے والے ہیرے

جواہرات اور دریاؤں سے حاصل ہونے والے موتی وغیرہ کی آمد پر بھی نہیں لگائی گئی اور اگر اس کو بھی ملحوظ رکھا جائے تو پھر بچت کا اندازہ ناممکن ہے۔ اور بقول علامہ مقریزی و ابن بطوطا "غلہ کے انباروں کی طرح ہندوستان کے بازاروں میں ہیرے اور جواہرات کے ڈھیر نظر آئیں گے۔"

ہندوستان کی آزاد حکومت کا نصب العین ہندوستانیوں کی خوش حالی ہو گا اگر مذکورہ بالا صورتوں سے افلاس دور ہو جائے اور تمام ہندوستانیوں کی شکم پری کی جاسکے تو زمیندارہ سسٹم میں بجز ضروری ترمیم کے اور کوئی تصرف نہ کیا جائے گا لیکن اگر ہندوستانیوں کے فاقہ کو مذکورہ بالا صورتوں سے دور نہ کیا جاسکے تو پھر ان زمینداروں کے متعلق غور کرنا ہو گا۔ جن کی آمدنی سالانہ پانچ سو روپیہ سے زائد ہو۔

اس وقت شرعی نقطہ نظر سے کیا صورت جائز ہو گی۔ اور کیا صورت ناجائز ہو گی۔ اس کا جواب اسی وقت دیا جائے گا۔ سردست اس موضوع پر بحث کرنا قبل از مرگ واویلا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس تمام آمدنی کو صحیح طور پر وصول اور خرچ کرنے کے بعد زمین کی کیا حقیقت رہ جائے گی کہ اس کو حکومت قبضہ میں کرے ان ہی ارادوں اور منصوبوں کا نام کانگریس ہو گیا ہے۔ کیونکہ کانگریس ان ہی سوالات کو لے کر کھڑی ہوئی ہے انگریز اور اس کے پٹھو یہاں مذہبی تحفظات کے سوال لاکر اصل حقیقت کو چھپانا چاہتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کانگریس کا اصل اصول یہ ہے کہ اس کا تعلق کسی مذہب سے نہ ہو گا۔ چنانچہ ذیل میں اس کے اساسی دفعات کی نقل پیش کی جاتی ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ہندوستان میں صرف اسی حکومت کا بقا ہو سکتا ہے جس کا مذہب کچھ نہ ہو۔ ہر ایک مذہب والے کو اس میں مساوی حصہ حاصل ہو اور پھر ہر ایک مذہب اپنی اپنی حدود میں آزاد رہے اگر کانگریس ایسا نہ کرے تو پھر مذہبی جنگ شروع ہو جائے گی اور اس میں یقیناً ہندو کی موت ہو گی۔ ہمیں اس میں نہ کوئی شبہ ہے نہ تردد۔ ہمیں اپنی طاقت اور خدا کے فضل پر پورا اعتماد ہے اور ہم آج ہی سے یہ اعلان سناتے چل رہے ہیں۔

## کانگریس کے اساسی اصول

ہر باشندہ ہندوستان کو حقوق ذیل حاصل ہوں گے۔ یعنی اپنی رائے آزادی سے ظاہر کرنا۔ اشتراک عمل اور باہمی اختلاط میں مکمل آزادی

اور اس کے ساتھ بغیر اسلحہ کے ایسے اغراض کے واسطے مجتمع ہونا جو قانون اور اخلاق کے خلاف نہ ہوں۔

ہر باشندۂ ہندوستان کو ضمیر کی آزادی حاصل ہو گی اور وہ اپنے مذہب کا اعلان آزادی سے کرسکے گا اور اپنے مذہب کے فرائض و رسوم آزادی سے برت سکے گا۔ بشرطیکہ اس سے انتظام عامہ اور اخلاق میں کوئی نقص نہ واقع ہو۔

-3 ملک کی اقلیتوں کے تمدن اور ان کی زبان اور رسم تحریر محفوظ ہوں گے نیز ملک کے وہ مختلف رقبے جو باعتبار اختلاف زبان کے قائم ہیں۔ ان کا تحفظ ہو گا۔

-4 تمام باشندگان ہندوستان بلا امتیاز مذہب و مسلک یا ذات و قوم یا حیثیت کے قانون کی نظر میں برابر ہوں گے۔

-5 کوئی باشندہ ہندوستان خواہ مرد ہو یا عورت' بوجہ اپنے مذہب یا جنسیت کے کسی پبلک ملازمت یا عہدے یا اعزاز سے یا کسی تجارت یا پیشہ سے ممنوع نہیں سمجھا جائے گا۔

دفعہ نمبر 8 کسی شخص سے اس کا حق آزادی چھینا نہیں جاسکتا اور نہ اس کے کسی مکان یا جائداد میں مداخلت کی جاسکتی ہے اور نہ وہ ضبط و قرق کی جاسکتی ہے۔ سوائے اس کے (وہ ضبطی یا قرقی) قانون کے مطابق ہو۔

دفعہ نمبر 9 مذہب کے معاملہ میں حکومت وقت غیر جانبدار رہے گی۔ ملاحظہ ہو۔ "بنیادی حقوق و فرائض اور کانگریس پروگرام۔" جو ہر کانگرس کمیٹی سے مفت مل سکتا ہے۔ جنرل سیکرٹری دفتر آل انڈیا کانگرس کمیٹی الہ آباد سے طلب کیجئے۔)

## تحفظ ملت اور ہندو مسلم معاہدات

عربی کی مثال ہے الدنیا زور لا یحصل الا بازور۔" دنیا چالباز ہے۔ چالبازی ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ مثال مذہبی اور اخلاقی اعتبار سے خواہ کتنی ہی خراب اور قابل نفرت ہو مگر افسوس کہ دنیا کا عمل اسی پر ہے۔ یورپ نے اسی سے ترقی کی اور آج متفقہ طور سے تسلیم کر لیا گیا کہ معاہدات دفع الوقتی کے لیے ہوا کرتے ہیں۔ باقی رکھنے کے لیے نہیں ہوتے بے شک اسلامی حکومتوں نے اور خود ہندوستانیوں نے ایک عرصہ دراز تک عہد و پیمان کی پابندی کا اعلیٰ مظاہرہ کیا۔ مگر

افسوس اسلامی حکومتیں اس میں تباہ ہو گئیں۔ آج سینکڑوں معاہدات ملیں گے جو یورپ کی حکومتوں نے ترکوں سے کیے۔ مگر کیا موقعہ ملنے پر ان کا شمہ برابر بھی پاس و لحاظ رکھا گیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی شہنشاہیت کے صرف ان معاہدات کی نقول جن کا تعلق ہندوستان سے ہے تقریباً چار چار سو صفحات کی گیارہ جلدوں میں یعنی تقریباً ساڑھے چار ہزار صفحات میں ہیں جب کہ بہت سے خاص خاص معاہدات کا ان میں ذکر بھی نہیں۔ لیکن کوئی ایک معاہدہ بھی ایسا نہیں بتایا جاسکتا کہ برطانوی شہنشاہیت نے اپنے مفاد کے ادنیٰ خطرے کے وقت بھی اس کی پابندی کی ہو۔

کیا آج میر جعفر کی نظامت بنگالہ پر اور میر قاسم کی بہار پر باقی ہے؟

کیا آج شہنشاہ دہلی اپنے تخت پر متمکن ہے اور انگریز بہار اور بنگال کی دیوانی پر قانع ہیں۔ معاہدوں کے پابند اور شاہ دہلی کے وفادار ہیں؟

کیا نظام حیدر آباد سے وہی مساویانہ اور دوستانہ تعلقات باقی ہیں؟

کیا زمینداروں پر صرف وہی ٹیکس اور محصول واجب ہیں جو اب سے ستر برس پہلے واجب کیے گئے تھے۔

کیا مسلمانوں کے مقدمات کے لیے قاضی اور ہندوؤں کے مقدمات کے لیے پنڈت حکومت کی جانب سے کرسی عدالت پر جلوہ فرما ہیں۔ (تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمایئے علماء ہند کا شاندار ماضی) کیا سرکاری زبان فارسی ہے؟ کیا جامع مسجد دہلی کا نیلام نہیں کیا گیا؟ کیا درجنوں مساجد کو ضبط کرکے ان میں سرکاری دفاتر نہیں بنائے گئے۔ وغیرہ کیا کانگرسی وزارت سے پیشتر کسی بھی ایسی تحریر و تقریر کی اجازت دی گئی جو برطانوی مفاد کے شمہ برابر بھی مخالف ہو؟

جنگ عمومی کے زمانہ میں بار بار اعلانات کے ذریعہ سے اطمینان دلایا گیا کہ یہ جنگ مذہبی نہیں۔ ترکوں کے مفتوحہ علاقے واپس کیے جائیں گے۔ مسلمانوں کے جذبات کا احترام کیا جائے گا۔ مگر ان تمام اعلانات کا نتیجہ دولت عثمانیہ کی بربادی عربی ممالک کی تقسیم، شریف حسین کی غلامی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ کہاں ہے خلافت اسلامیہ کی حمایت کا معاہدہ۔ آج فلسطین پر مظالم کیوں ڈھائے جا رہے ہیں؟ مسلمانوں کے قبلہ اولیٰ کو یہودیوں کے سپرد کیوں کیا جا رہا ہے۔ بہرحال اس قسم کی عداوتوں مکاریوں، چالبازیوں سے دنیا کا ایک ایک چپہ مبتلا ظلم و ستم ہے۔ ہر غالب مغلوب کو برباد کر رہا ہے۔

## ہندوستان کے مدبرین

مگر آپ تعجب کیجئے ارباب لیگ کی فہم و دانش پر۔ یہ وہ معصوم امت ہے جو بیسویں صدی میں بھی کاغذی معاہدوں کو تحفظات کا تعویذ بنانا چاہتی ہے۔

دنیا ان پیروں کا مذاق اڑاتی ہے جنہوں نے بیوقوف مریدوں کو میدان جنگ جاتے وقت تعویذ دیئے تھے کہ ان کی برکت سے چھرے۔ گولی یا گولے کا اثر ہرگز نہ ہو گا۔ مگر آپ دنیا کی بے شعوری پر تعجب کیجئے کہ آج جناح لیگ کے اغوا سے وہ اسی قسم کا تعویذ حاصل کرنا چاہتی ہے اور وہ بھی کس سے گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال سے۔ افسوس کیا یہی ہے حمیت اسلام؟ وہ تحفظ اسلام کی ایک دستاویز چاہتی ہے۔ مگر کس سے؟ اس سے جو خود اس کے عقیدے میں کافر' مشرک' دشمن اسلام ہیں۔ سنا ہو گا "دودھ کی رکھوالی بلی" کیا جناح لیگ کی اس حرکت پر یہ مثال چسپاں نہیں ہوتی خدارا سوچئے اور اپنی غلطی پر آپ خود ہی نادم ہوجئے۔ آپ جمعیتہ العلماء اور جمعیتہ الاحرار کے اراکین کو ہندو پرست کہتے ہیں مگر کیوں؟ صرف اس لیے کہ (الف) وہ صرف اپنی طاقت پر اعتماد کرتے ہیں وہ کسی غیر مسلم کے معاہدہ کی طرف اعتماد تو کیا توجہ بھی نہیں کرتے (ب) ان کا عقیدہ ہے کہ معاہدہ وہی باقی رہتا ہے جو خون شہادت کی سرخ روشنائی سے سنگینوں اور آبدار تلواروں کی نوک قلم سے توپوں اور مشین گنوں کے دھانوں پر لکھا جائے۔ کاغذی معاہدے کاغذ کی ناؤ ہے جو انقلاب کے طوفانی سیلاب میں اس کا نام و نشان ملنا بھی دشوار ہے (ج) ان کو یقین ہے کہ ہندو کوئی بھی ہو ہندو ہے مسلمان جو بھی ہو مسلمان ہے ان کو کبھی اپنی اسلام میں یا قانون اسلام کی حقانیت و صداقت میں شک ہوتا ہے اور نہ وہ کبھی اس دھوکے میں پڑتے ہیں کہ گاندھی جی ہندو بلکہ کٹر ہندو نہیں۔ یا جواہر لال اسلام کی طرف مائل ہیں۔

یہ کھلی ہوئی چیز ہے کہ مذہبی حیثیت سے ہر ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان ہے ہر ایک کی ترقی دوسرے کے لیے باعث رشک ہے' اس لیے نہ کبھی وہ اس خبط میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ ہندو کسی وقت اپنے مذہبی مفاد سے چشم پوشی کرکے کسی معاہدہ کی پابندی کرسکتا ہے اور نہ اس قسم کے پادر ہوا معاہدہ کی فکر میں وہ اپنے تحفظات سے غافل ہوتے ہیں۔ (د) جبکہ جلیانوالہ باغ کے موقعہ پر پنجاب میں اور 30 تا 33ء کی تحریک کے وقت صوبہ سرحد میں نیز ہندوستان کے دوسرے مقامات

میں ہزاروں جوانان اسلام حریت وطن کی خاطر جام شہادت نوش جاں کر چکے۔ بچوں کو یتیم نئی دلہنوں کو بیوہ کر چکے تو وہ کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ آج حریت طلب جماعت (کانگرس) کو خالص ہندوؤں کی جماعت قرار دے کر اپنی قربانیوں پر پانی پھیر دیں۔ شہید ہونے والے اور جیل خانوں کے مصائب برداشت کرنے والے ہمارے رفیق تھے۔ قوت بازو تھے۔ لخت جگر تھے۔ آنکھوں کا نور تھے یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم ان کی مقدس قربانیوں کو حرف غلط کی طرح صفحہ تاریخ سے مٹا کر مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد جماعت اور کانگریس کو ہندوؤں کی خالص جماعت تسلیم کر لیں۔ کس کی مجال ہے کہ کانگریس کو ہندو جماعت قرار دے۔ ہم نے قربانیاں پیش کیں۔ کانگریس ہمارا نام ہے۔ پھر کانگریس سے معاہدہ کیسا۔ ہاں مشترک وطنی جماعت کا فرض تھا کہ وہ تمام مذاہب کی آزادی اور تحفظ کا اعلان کر دے۔ چنانچہ عرصہ ہوا وہ اس فرض کو انجام دے چکی (ھ) اگر مان لیا جائے کہ کانگریس کو صرف اکثریت کے لحاظ سے ہندو جماعت کہا جاتا ہے تو ہماری غیرت ہرگز ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ ہم تحفظ اسلام کا فرض کسی بھی قوم کے ذمہ کریں۔ کیا ممکن ہے کہ آج فاروق اعظم، خالد بن ولید، محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کے وارث ہندو سے حفاظت دین کے خواہاں ہوں۔ تف ہے تف ہے۔

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے شب فرقت میری

---

سرد دستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(و) یہ جذبات نہیں بلکہ غور فرمائیے۔ حفظ حقوق کے یہ معنی کہ آپ ہندو کو بالادست تسلیم کرتے ہیں اور خود کو کمزور مان رہے ہیں۔ آپ اپنے رسم و رواج کلچر اور مذہب میں ہندو کا اقتدار تسلیم کر رہے ہیں اور بجائے اس کے کہ ہندو آپ کا ذمی ہو۔ آپ ہندو کے ذمی بن رہے ہیں۔ معاذ اللہ خدا کی پناہ واللہ اس ذلت سے موت بدرجہا بہتر ہے خصوصاً" ایسی صورت میں کہ سابق تحریر کے بموجب آزاد ہندوستان کا ہندو ہمارے رحم و کرم پر ہو گا۔ ہم ابھی سے ہندو کا اقتدار تسلیم کر کے خود کو ذلیل کر لیں اور آزاد ہونے کے وقت شودر کی حیثیت حاصل کر لیں

(ز) یہ ایک فطری چیز ہے کہ اطمینان کے وقت انسان عیش و آرام میں مشغول ہو جاتا ہے اور وہی اس کی تباہی کمزوری اور بزدلی کا دیباچہ ہوتا ہے آج ہندوستانی

کمزور نہ ہوتے اگر وہ اپنے محافظ خود ہوتے اور گورنمنٹ ان کے تحفظ کو فوج کے سپرد نہ کرتی۔ آج سرحد کے پٹھان بہادر ہیں کیونکہ ان کو اپنا تحفظ خود کرنا پڑتا ہے۔ ان فطری نظائر کے پیش نظر کھلی ہوئی چیز ہے کہ مسلمان جو خود غافل پڑا ہوا ہے اور اب تک جدوجہد کی حرکت اس میں پیدا نہیں ہوئی معاہدہ کی خبر پاتے ہی گہری نیند سو جائے گا۔ اور یہ دور انقلاب اس طرح گذر جائے گا کہ ہندو شجاعت' بہادری' ایثار اور قربانی کی مشق کر رہا ہو گا اور مسلمان پڑا سو رہا ہو گا۔ غور کرو۔ اگر اس صورت سے صرف دس سال بھی گذر جائیں تو پھر ان مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا۔ معاذ اللہ

اسی لیے ہمارا یقین ہے کہ جناح لیگ کی جدوجہد قوم مسلم کے لیے سم قاتل ہے اور ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ بلا کسی معاہدہ اور بلا کسی شرط کے ہر قسم کے خطرات کی منجدھار میں پھنس کر آزادی کی جنگ میں خود کو شریک کریں۔ انقلاب کے طریقوں سے پوری طرح واقف ہوں موت کا شوق پیدا کریں مصائب اور تکلیف کے عادی بنیں اور ہر ایک مجاہد جماعت کی حیثیت سے ہندوستان میں نمودار ہوں۔ جو ہر طرح آزاد ہو۔ اگر دوسری قوم اس کا احترام کرے تو وہ بھی احترام اور رواداری برتے ورنہ وہ ہر پابندی سے آزاد ہو اور انقلاب کے راستوں سے پوری طرح واقف ہو۔

## سرکاری ملازمتیں' اسمبلی کی نشستیں اور طرز انتخاب

شریعت بل کے ساتھ لیگ کے قائداعظم نے جو سلوک کیا اور پھر عام شرعی احکام و شرعی تعلیمات کے ساتھ جو لیگ کے ذمہ دار اراکین کا طرز عمل ہے اس کی موجودگی میں تحفظ مذہب کا دعویٰ تو بلاشبہ عوام کو فریب دینے اور الیکشن میں ووٹ حاصل کرنے کی چیز ہے۔ لیگ کے پیش کردہ تمام مطالبات میں صرف دو چیزیں قابل توجہ ہیں 1- اسمبلی کی نشستیں۔ 2- ملازمتیں۔ لیکن نشستوں کے متعلق تو کیمونل ایوارڈ کے متعلق کانگریس سے مطالبہ بے معنی ہے۔ یہ کس قدر دردناک سانحہ ہے کہ حکومت پرست طبقات نے کانگریس کے فارمولا کو رد کرتے ہوئے میکڈانلڈ کا بنایا ہوا فارمولا منظور کر لیا' جو مسلمانوں کے لیے کانگریسی فارمولا کے مقابلہ میں مضرت رساں ہے۔ جس کی بناء پر سندھ اور سرحد کے سوا کہیں بھی مسلمانوں کی نمایاں اکثریت نہیں رہی۔ بہرحال اگر نشستوں میں دو چار کا اضافہ اور

بھی ہو جائے تو اقلیت تو پھر بھی اقلیت ہی رہے گی۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اقلیت اکثریت بن جائے۔ اس لیے بدقسمتی سے یہ سوال ہمارے لیے کچھ زیادہ دلچسپ نہیں۔ البتہ ملازمین کے متعلق ہمیں بھی بہت کچھ ہمدردی ہے۔ مگر افسوس کہ ملازمین کی شکایتوں کا اصلی سبب بھی لیگ کا فارمولا اور اسی کا ایک نظریہ ہے۔ کسی منصف مزاج کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا کہ جداگانہ انتخاب ہوتے ہوئے آخر وہ کس طرح دوسری قوم کی ذہنیت بدل سکتا ہے فریقین کی ذہنیت اسی وقت بدل سکتی ہے جب ہر فریق دوسرے کا محتاج ہو۔ آج دفاتر کا تعصب ایوان اسمبلی کے تعصب کا عکس ہے۔ ایوان اسمبلی کے ارکان آپس میں ایک دوسرے سے قطعاً" الگ ہوتے ہیں وہ اپنے انتخاب کے وقت ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ووٹ حاصل نہیں کرتے بلکہ ہندو یا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ووٹ حاصل کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی آئندہ تمام خدمات میں اس ذہنیت کا اظہار کرتے رہیں تاکہ وہ اپنی قوم میں سرخرو ہوں اور آئندہ پھر انتخاب کے وقت کامیاب ہو سکیں' کانگریس نے اس مرتبہ اس ذہنیت کو بدلنا چاہا اور اس نے وہی مقاصد پیش کیے جن کے متعلق اسمبلی میں پہنچ کر قانون بنوانے تھے' مگر لیگ اور انڈپینڈنٹ نے مسلم حلقوں میں اسلام اور کفر کا قطعاً" بے محل سوال پیدا کرکے مسلم حلقہ میں کانگریس کے نقطہ نظر کو فیل کر دیا۔ مسلمان اپنی سیاسی ذہنیت میں کوئی ترقی نہ کر سکا۔ وہ لیگ کے اسلام و کفر کے گورکھ دھندے میں پھنس کر رہ گیا جبکہ ووٹ لینے کے وقت اس سوال کو بروئے کار لایا گیا تو اسمبلی میں بھی وہ سوال رہے گا اور اسی ذہنیت کا اثر تمام محکموں اور ملازمتوں میں ظاہر ہو گا۔ کاش خدا سمجھ دے اور اغراض پرستی چھوٹے۔ انتخاب مخلوط ہو تو یہ ذہنیت بدلے۔ البتہ انتخاب مخلوط میں صرف اتنا تحفظ ہم ضروری اور کافی سمجھتے ہیں کہ نشستیں بدستور محفوظ رہیں۔ مسلمان نشستوں پر صرف مسلمان اور ہندو یا غیر مسلم پر غیر مسلم۔ نیز کوئی خاص حد مقرر کر دی جائے کہ اس کے بموجب ہر ایک فریق کے ووٹ حاصل کرنے ضروری ہوں گے مثلاً ہندو کے لیے یہ ضروری ہو کہ حاصل کردہ ووٹ میں 25 فیصدی مسلمانوں کے اور کم از کم 50 فیصد ہندوؤں کے ووٹ ضروری ہوں۔ اسی طرح مسلمان امیدوار 25 فیصدی ووٹ ہندوؤں کے اور کم از کم 50 فیصدی ووٹ مسلمانوں کے ضرور حاصل کرسکے اس کے بغیر کوئی امیدوار کامیاب نہ ہو۔ اب اگر مسلمان نے دو ہزار ووٹ حاصل کیے' مگر ان میں 18 سو ووٹ مسلمانوں کے اور دو سو ووٹ ہندوؤں کے ہیں

تو وہ کامیاب نہ ہو گا۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے شخص نے صرف بارہ سو ووٹ حاصل کیے مگر تین سو ووٹ ان میں ہندوؤں کے بھی ہیں تو وہ کامیاب مانا جائے گا۔ اس صورت سے ہر ایک امیدوار ہر دو فریق کا محتاج ہو گا۔ اور ذہنیت فرقہ وارانہ ختم ہو جائے گی۔

## ہمارے تحفظات اور ہماری طاقت

ہم مکرّر کہتے ہیں کہ ہم ہندو کو ہندو سمجھتے ہیں۔ ہمیں کبھی گمان بھی نہیں ہوا کہ ہندو اسلام یا مسلم کا محافظ ہو گا۔ ہم ہندو کو ہندو جان کر مشترک مجلس وطنی یعنی کانگریس میں شامل ہوتے ہیں اور اسی لیے ہندو کی تنگ نظری یا اسی کے مذہبی جذبات ہمارے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہوتے اور اسی لیے ہم مشترک پلیٹ فارم پر تحفظ اسلام کا نام لانا بھی گوارا نہیں کرتے۔ بلکہ کانگرسی نظام سے الگ تحفظ ملت کے لیے عملی اجتماعی جدوجہد کو ازبس ضروری سمجھتے ہیں اور الحمدللہ کہ دولت مغلیہ کے زوال سے پیشتر ہم اس پر نہایت تن دہی سے عامل ہیں۔ چنانچہ

1- ہم نے اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور مراسم اسلام کے لیے پورے ہندوستان میں آزاد عربی مدارس کا جال پھیلا رکھا ہے۔ جن کے متعلق ہم گورنمنٹ کی ایڈ کو بھی گوارا نہیں کرتے اور اسی لیے بفضلہ تعالیٰ ہماری فطرت آزاد، غیور، اور خود اعتماد بن گئی ہے دیوبند سہارنپور مدرسہ شاہی مراد آباد۔ لکھنؤ۔ کانپور وغیرہ اس نظام کے مرکز ہیں۔ ہم نے آج تک یہ بھی گوارا نہیں کیا کہ ان مدارس میں مذہبی تعلیم کے سوا تجارت یا ملازمت کے سلسلہ میں کام آنے والی تعلیم ہو۔ چنانچہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے وقت پورے ہندوستان میں دو چار عالم ہوں گے اور آج ہر ہر گوشہ میں ہزاروں عالم بھرے پڑے ہیں اور اسی جدوجہد کی برکت ہے کہ صرف 70 سال کے عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد ڈھائی کروڑ سے بڑھ کر 9/8 کروڑ ہو گئی ہے۔ والحمدللہ علیٰ ذالک

ہم ان مدارس کو اسلام کا سب سے بڑا پاسبان سمجھتے ہیں۔ نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں جو ہم بیان نہیں کر سکتے چنانچہ ہزاروں علماء نے ان مدارس کے تحفظ کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ ہم نے اس جاں نثاری اور فداکاری سے ان مدارس کی خدمات انجام دیں کہ جن کی نظیر دنیا نہیں پیش کر سکتی ہم نے اپنی غیرت اور خوداری کو بالائے طاق رکھا۔ مسلمانوں کی ڈیوڑھیوں پر پہنچے اور جبکہ اسلام اور تحفظ کے مدعی انتہائی رعونت کے ساتھ ہمیں ڈانٹ رہے تھے ہم نے غریبوں کے دروازوں سے بھیک مانگ کر ان مدارس کو چلایا۔ چلا رہے ہیں اور چلاتے رہیں گے۔ انشاء اللہ، ہم نہایت ناز سے کہتے ہیں کہ ہم نے مسجدوں میں رہ کر بھیک مانگ کر علم دین حاصل کیا اور پھر وعظ، تبلیغ، درس، افتاء کے ذریعہ

سے اسلام کا تحفظ کیا۔ اسلام کی مقدسہ تاریخ میں اسلام کی کرامت بن کر ظہور پذیر ہوئے۔
ہم ہی عید الضحٰی کے موقعہ پر قربانی کی تعلیم دیتے ہیں۔ رمضان شریف میں مساجد میں تراویح میں قرآن شریف سن کر یا سنا کر حفظ قرآن پاک کی ترقی دوچند کرتے ہیں اور اس قسم کی سینکڑوں ہزاروں خدمات سے اسلام اور اس کے کلچر کے محافظ بنے ہوئے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ حفاظت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ احکام اسلام پر عمل ہو۔ ان کی اشاعت ہو بد قسمتی سے جناح لیگ کے ارکان یہ سمجھنے لگے کہ تحفظ اسلام کے یہ معنی کہ حقوق حقوق تحفظ تحفظ کا شور مچایا جائے۔ افسوس ہے مسلمانوں پر کہ وہ اتنے بھولے کیوں ہیں (۲) مدارس سے فراغت کے بعد ہم نے تبلیغی انجمنیں جابجا قائم کیں اور آج بفضلہ تعالیٰ وہ ہمارے ہی دم سے قائم ہیں (۳) ہم نے علماء ہند کی تنظیم کیلئے جمعیۃ علماء ہند قائم کی اور مسلمانوں کی تنظیم کیلئے اولاً خلافت کمیٹی قائم کی تھی اور جب بابائے خلافت نے اس کو اپنی اغراض و ہوا و ہوس پر قربان کر دیا تو مجلس احرار قائم کی (۴) ان دونوں جماعتوں نے سخت موقعہ پر انتہائی دلیری اور بے جگری کے ساتھ اسلام کا تحفظ کیا۔ بیشک حریت وطن کی تحریک کے وقت وہ کانگریس کی پلیٹ فارم پر برادران وطن کے دوش بدوش تھے۔ کیونکہ ہندوؤں کی طرح ان کو بھی اپنے ہندوستانی ہونے کا یقین تھا۔ وہ بھی ہندوستان کی عزت کے حامی ہیں اور انگریز کو نکال کر ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ بھی برابر کے حصہ دار ہوں، لیکن جب بھی کوئی فرقہ وارانہ مسئلہ پیش آیا تو وہ کانگریسی ہوتے ہوتے ہندو کے مقابلہ میں تحفظ اسلام کے لیے سینہ سپر تھے اور انگریز یا ہندو نے جو کچھ بھی کیا اس کا صحیح جواب تھے۔ چنانچہ تبلیغ، شدھی اور سنگھٹن کی مدافعت۔ مسودہ حج، سودہ اوقاف، سارد ایکٹ وغیرہ کے متعلق فداکارانہ خدمات جمعیۃ العلماء ہند کے لیے طرہ امتیاز ہیں۔ اور راجپال ایجی ٹیشن۔ کشمیر ایجی ٹیشن کے موقعہ پر ہزاروں جان نثاروں کا جیلخانوں کو پر کر دینا کتنے ہی نوجوانان اسلام کی شہادت پر مردانہ مدافعت تحریک مدح صحابہ وغیرہ کے متعلق خون قربانی سے رنگی ہوئی تاریخ مجلس احرار کے سرخ پرچم پہ نقش ہے (۵) ہم ایک اور چیز کو اپنا مذہبی حق سمجھتے ہیں۔ برطانوی حکومت نے ہمارے اس حق کو برباد کر دیا، مگر اب ہمیں اپنا وہ حق حاصل کرنا ہے۔ یعنی محکمہ قضا کا قیام جس کے ذریعہ سے ہم طلاق، خلع، نکاح، وراثت اوقاف وغیرہ اسلامی قانون کا نفاذ خود اپنے اختیار سے کر سکیں بہت ممکن ہے کہ ہندو ہمارے اس حق کی مخالفت کرے مسلم لیگ اس حق کو کوئی اہمیت نہیں دیتی مسٹر جناح نے مرکزی اسمبلی میں شریعت بل میں ترمیم کر کے ہماری دس سالہ کوشش پر پانی پھیر دیا۔ مگر ہم اعلان کرتے ہیں کہ یہ حق ہمیں حاصل کرنا ہے اور ہم اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک ہمیں یہ حق حاصل نہ ہو گا۔ اس حق کے حصول کے بعد ہندوستان دارالسلام کی حیثیت

حاصل کرلے گا۔

یہ ہیں ہمارے تحفظات اور یہ ہے ہمارا معاہدہ جو ہم نے ہندوستان میں بسنے والی قوموں سے کیا اور جس کے لیے ہم نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں مگر افسوس مسلم لیگ کا عقیدہ ہے کہ مسٹر گاندھی جواہر لال نہرو سوبھاش چندر بوس۔ بابو راجندر پرشاد فرشتہ صداقت ہیں۔ دائمی اور ابدی ہیں۔ آج جو کچھ لکھ دیں گے وہی ابد الاباد تک باقی رہے گا۔

## ہندو پرست کون ہے؟

اب خدارا تم ہی بتاؤ کہ ہندو پرست کون ہوا۔ ہندو پر اعتماد کس نے کیا ہندو کی نازیبا حرکات کے وقت مقابلہ کس نے کیا اور جان کس نے چرائی اور آج ہندو کی صداقت پر کون ایمان لائے ہوئے ہیں۔

## تنظیم مسلم

آج مسلمانوں کی تنظیم کا شور مچایا جا رہا ہے۔ گورنمنٹ کا ایجنٹ عنایت اللہ مشرقی خاکسار تحریک پیش کر رہا ہے۔ ابو الاعلیٰ مودودی ایک نئے پیدا ہوئے ہیں اور دار الاسلام کے لیے دہائی دے رہے ہیں۔ یعنی دار الحرب کے گوشہ میں دار الاسلام چہ خوش۔ "اسلام بزیر سایہ کفر" اور حسن اتفاق سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب اگرچہ عمر بھر تنظیم وغیرہ کے جھگڑے میں نہ پڑے تھے اور تقریباً 20 سال سے تارک الدنیا ہو کر گوشہ نشین بھی ہیں، مگر مسلم لیگ کی حمایت میں آپ بھی آج تنظیم المسلمین۔ تعلیم المسلمین وغیرہ کے ارشادات صادر فرمانے لگے۔ اور اس مقدس تنظیم کی ہوس میں ان حضرات سے رشتہ اخوت و صفا قائم فرمانے لگے جن کو آج تک نیچری یا بریلوی کہہ کر ان کی تکفیر و تفسیق کے متعلق سینکڑوں تصانیف تحریر فرمائی تھیں۔

## کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

مگر خدارا یہ تو بتایئے کہ تنظیم المسلمین سے آج تک کون غافل رہا الحمد للہ احرار کی جماعت نے ہمیشہ جدوجہد جاری رکھی اور آج بھی وہ مصروف جدوجہد ہے چنانچہ اس مقدس جماعت نے 1297ھ میں موتمر انصار کی بنیاد رکھی (جس کا مجملاً ذکر پہلے گزرا اور تفصیل کے لیے ہم "علماء ہند کا شاندار ماضی" کا حوالہ دیتے ہوئے ناظرین کرام سے دعا کے متدعی ہیں کہ اس کی طباعت جلد مکمل ہو جائے اور اس سے پہلے کہ اس کی اشاعت پر گورنمنٹ کی جانب سے پابندی عائد ہو) مگر 1330ھ میں گورنمنٹ کی عنایات نے اس کو درہم برہم کر دیا۔ اسی

تنظیم کے قائد اور زعماء سیدنا شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مولانا عزیر گل صاحب وغیرہ جن کو مالٹا میں گوناگوں مصائب میں مبتلا رکھا گیا اسی تنظیم کے ہیرو مولانا عبیداللہ صاحب سندھی اور مولانا محمد میاں صاحب منصور انصاری ہیں جو آج تک ہندوستان سے جلاوطن ہیں اس تنظیم کو 30ھ میں درہم برہم کیا گیا تو 1334ھ مطابق 1919ء میں علماء کرام کی تنظیم کے لیے جمعیتہ علماء ہند اور عام مسلمانوں کی تنظیم کے لیے خلافت کمیٹی قائم کی گئی۔ اور اس کی بربادی اور تغلب کے بعد احرار اسلام قائم کی گئی۔

## ستم ظریفی

اس سے بڑھ کر ستم ظریفی کیا ہو گی کہ ان احرار کرام کو ہی ہندو پرست کہا جاتا ہے۔ ان ہی کے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھ پڑھ کر جہاد حریت سے علیحدہ رہنے کی تلقین کی جاتی ہے اور ان ہی حامیان تنظیم کو کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر رہے ہیں۔ وغیرہ

## قصور کیا ہے

قصور صرف یہ ہے کہ یہ ایسی کوئی تنظیم گوارا نہیں کرتے جو زیر سایہ انگریز ہو وہ آزاد تنظیم کے حامی ہیں۔ مسلمانوں میں حریت کی روح پھونکتے ہیں وہ آزادی ہند کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں ان کے سامنے وہ تمام فوائد ہر وقت آئینہ ہیں جو ہندوستان کی آزادی کے بعد حاصل ہو سکتے ہیں چونکہ کانگریس بھی حریت پرور اور آزادی پر قربان ہونے والی جماعت ہے تو لامحالہ اس سے تعلق رکھتے ہیں جس طرح ان کے برخلاف تمام تنظیمیں گورنمنٹ سے اپنا سلسلہ منسلک رکھتی ہیں۔ بس یہی جرم ہے اور یہی قصور ہے۔

؎ خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

## یہ دور کس کا ہے؟

ہم ہندوستانی (برعظیم کی) سیاست کے اس دور کو جو رولیٹ ایکٹ (Rowlatt Act) کی ایجی ٹیشن سے شروع ہوا شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کا دور مانتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اگر گورنمنٹ شیخ الہند کی کارروائیوں سے مطلع نہ ہوتی تو رولیٹ کمیشن نہ بیٹھتا نہ کانگریس کی تیز گام پارٹی کو اس طرح ترقی کا موقع ملتا۔

ہماری دماغی تکلیف انتہا کو پہنچ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے عقلمند اور آگے بڑھ کر کام کرنے والے نوجوان شیخ الہند کا ذکر تک بھولتے جاتے ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ اس سے ہم ہندوستان (برعظیم) کے میدان سیاست سے بتدریج پسپائی پر مجبور ہوتے چلے جائیں گے۔ اس لئے ہم نے مکہ معظمہ میں فیصلہ کر لیا تھا کہ جب کبھی ہم وطن پہنچے یا ہماری رہنمائی میں کوئی کام چل سکا تو ہم جامعہ ملیہ دہلی میں یادگار شیخ الہند ضرور قائم کریں گے۔

چونکہ ہماری شخصیت کا تمام علمی و سیاسی ارتقاء اس مرد خدا کے اتصال سے وابستہ ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ تحریک ہمارے لئے اگلی قدم (پیش قدمی) کا راستہ صاف کر دے گی۔ اگرچہ ہمارے خلاف یہ بدگمانی پیدا ہو سکتی ہے مگر اس وقت ہمارا نقطہ نظر اپنے شخصی تعلق سے قدرے بلند ہے۔ ہماری سوچی سمجھی ہوئی مستقل رائے ہے کہ اگر مسلمانان ہند اپنا تعلق حکیم الہند امام ولی اللہ دہلوی کے مجددانہ پروگرام سے قائم نہ کر لیں گے تو ان کی قومی تحریک اپنی تاریخی عظمت کھو بیٹھے گی۔ اگر مفکرین کا کوئی طائفہ ہمارے اس فکر کو قابل قبول سمجھے تو اس کے بعد ہم دنیا کو منوا سکتے ہیں کہ ہمارے دور کو فتاوائے عالمگیر کے تدوینی زمانہ سے ملانے کے لئے کوئی عروہ وثقی (مضبوط کڑی) مل سکتا ہے تو وہ فقط حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی ہی ہو سکتے ہیں۔

(خطبات و مقالات صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶)